أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(ترجمہ)

کیا اللہ میں بھی شک ہے جس پر پستیاں و بلندیاں ارض و سما گواہ ہے

دلائلِ ہستی باری تعالیٰ

ہمہ ہستند آنچہ ہستی توئی
پناہ بلندی و پستی توئی

مؤلفہ

خادم دین اللہ عبد الرؤف بن نعمت اللہ

ناظم

مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال

منجانب

شعبۂ تصنیف و تالیف مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر

مطبوعہ

نظامی پریس لکھنؤ

شعبۂ تصنیف وتالیف کا قیام

۱۹۴۴ء سے وقت کے ضروری مطالبات و پیش آمدہ حالات کے مطابق مدرسہ کے شعبۂ اشاعت نے چند رسالوں کے ذریعہ قوم وملت وملک کی علمی و تبلیغی خدمت انجام دی ہے اور اس کے رسائل و مولفات کو مشہور اہلِ علم و شیوخ نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ یہ شعبہ مدرسہ سے متعلق رہے گا مگر اس کے اشاعتی اخراجات کا بار مدرسہ پر نہ ہوگا۔ اصحاب خیر تبلیغ دین کے اس دیرپا اور قرار شعبہ میں معلومات و مسائل دینیہ کی اشاعت کے لئے کافی توجہ فرمائیں تاکہ اخراجات کی تنگی سے یہ سلسلہ رک نہ سکے۔ اور اس دفعہ شعبہ اشاعت میں کوئی رقم نہیں پہونچی اس لئے زود خستگی کتب سے اس کتاب کی اشاعت ہو رہی ہے۔

نذرِ عقیدت

مفکر ملت، محب اسلام حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی رح کی یاد میں ان کی خدا دانی حق آگاہی کے پیش نظر سلسلۂ خدا شناسی کا یہ ہدیہ علمیہ ادب ومحبت کے ساتھ پیش کرتا ہوں اور اس انتساب کو وجہ سعادت وباعث برکت سمجھتا ہوں۔ البتہ ؎

ہمی شرم دارم کہ پائے ملخ را
سوئے بارگاہِ سلیمان فرستم

عبدالرؤف بن نعمت اللہ
ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر
نیپال

العارض
عبدالرؤف رحمانی

فہرست مضامین

عرضِ حال

معزز ناظرین کرام! باری تعالیٰ کا وجود اور صانع عالم کا ثبوت اجلی البدیہات میں سے ہے۔ اور جبکہ تمام موجودات کے وجود کا سرچشمہ اور تمام مخلوقات کے خلق کا منبع اس کی ذات خود ہے تو اس پر بحث و مباحثہ کی نوبت نہ آنی چاہیئے۔ بقول غالبؔ ؎

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

لیکن شک وشبہ و انکار خدا کی نوبت اپنی اور دیگر مخلوقات کی حقیقت اور اس کی حیثیت سے کوتہ نظری کے بنا پر پیش آتی ہے۔ غور وفکر کے بغیر ہی علم بالعدم کا حکم کیا جاتا ہے رسالہ ہذا میں ہم ایک دو ملحدانہ تقریر کا اقتباس لکھیں گے جس سے اس حکم کا اندازہ ہو سکیگا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ ہستی باری تعالیٰ پر کچھ دلائل و شواہد یکجا کر دیئے جائیں تاکہ تشنگان معرفت کی کچھ علمی پیاس بجھے اور یہ دلائل کچھ رہنمائی کا کام دے سکیں۔ میں نے متقدمین کے کچھ دلائل ہستی باری تعالیٰ پر نقل کی ہیں۔ کچھ وحدت روح و مادہ کے اثبات سے وجود صانع کی ضرورت ثابت کی ہے نیستی سے ہستی کا امکان اور وقوع دکھلا کر خدا تعالیٰ کا یا بلفظ دیگر علت موجدہ کا ثبوت نقل کیا ہے اور مصنوعات سے صانع کا ثبوت ظاہر کیا ہے۔ شمس و قمر کا نظام۔ نباتات کی پیداوار۔ روح کی تخلیق اور اس کا امساک وارسال یہ سب خدا تعالیٰ کی ہستی کے دلائل ہیں۔ اسی ذیل میں ضمنی معلومات اور ذہنی سوالات کے جوابات سب آ گئے ہیں۔ چونکہ کسی رسالہ کو میں نے اس مبحث پر مرتب نہیں پایا اس لئے جمعاً للفوائد میں نے اس رسالہ کو مرتب کر دیا ہے۔ اور متفرق

مضامین جو کسی کتاب میں نظر پڑے یا بطور خود جن دلائل کو ہستی باری تعالےٰ کے لئے میں نے موید پایا ان سب کو اس میں جمع کر دیا ہے۔ ممکن ہے میری طرح کچھ اور تشنگانِ حق کے دلوں کے شکوک جو اسی طرح اور اسی وضع کے پیش آتے ہوں وہ اس کے مطالعہ سے رفع ہو جاویں اور ان کے ذہنی سوال و مذہبی عقیدت کی باہمی جنگ ختم ہو جائے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ میں نے خطبہ جمعہ میں کوئی مضمون شروع کیا تو ایک ذہن کی توجہ ہستی باری پر بھی ہو گئی ہے اور کچھ فوائد بیان ہو گئے بعد میں بھی اس کو نوٹ کر لیتا۔ پس یہ رسالہ انہی اشتات و متفرقات کا مجموعہ ہے۔ نکتہ سنجانِ علم و عقل کے لئے یہ خادم اس عرضداشت کے ساتھ حاضر ہے کہ ؎

قبا گر حریر است و گر پرنیاں　　بنا چار حشوش بود در میاں

تو گر پرنیانی بیابی مکوش　　کرم کار فرما و حشوم بپوش

اللہ تعالیٰ میری اس ناچیز سعی کو بھی خلعت قبول سے نوازے اور اسے میرے اعمال سیئہ کا بدل اور ثواب کا ایک ذخیرہ اپنی رحمت سے ٹھیرائے۔

خادم

عبد الرؤف خان

بن نعمت اللہ خان

مقدمہ

اقسام القرآن میں علامہ ابن القیم رحہ نے لکھا ہے۔ ان المعاد انما العلمہ عامۃ الناس باخبار الانبیاء وان کان من الناس من قد یعلمہ بالنظر بخلاف العلم بالصانع فان الناس متفقون علے انہ لا یعلم بالعقل وان کان ذالک مما نبہت الرسل علیہ واما صفاتہ فقد نعلم بالعقل وقد نعلم باخبار الانبیاء (اقسام القرآن جلد اول ص۳) اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا مسئلہ اہل نظر کو عقل سے معلوم بھی ہو سکتا ہے مگر ہستی خدا پر بحث اہل نظر کے نظر کو بھی درماندہ کر دیتی ہے۔ ایک عارف باللہ کا یہ شعر اسی معنی میں کیا ہی سچ ہے ؎

دور بینانِ بارگاہِ الست
جز ازیں پے نبردہ اند کہ ہست
(بوستان سعدی)

عدم علم سے علم بالعدم کا تحکم

ہماری ایجادات جدیدہ کی یہ چکیلی دنیا آج اس مرض میں گرفتار ہے جو شاعر نے اپنے اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالدھر بماند

ترجمہ۔ نہ جاننے والا اپنے کو جاننے والا سمجھے تو یہ اس کے جہل سادہ کی نہیں بلکہ جہل مرکب کی دلیل ہے۔ کیونکہ علم و سائنس کی یہ نئی دنیا خدا نہ پہچان سکنے پر اس بات کی مدعی ہو جاتی ہے کہ ہم نے پہچان لیا۔ کہ خدا نہیں ہے

جو کہ بالکل غلط ہے۔ مشہور کلیہ ہے کہ عدم علم سے عدم علم بالعدم لازم نہیں آتا۔

یورپ میں ایک فلسفی نیٹشے گذرا ہے۔ اسکے انکار خدا کی بنیاد اسی عدم علم سے علم بالعدم کا ادعام باطل تھا۔ اسی طرح یورپ کے ایک فلسفی کانٹ نے اپنی کتاب عقل صحیح میں تو یہ بھی لکھ مارا ہے کہ کائنات سے خدا کے وجود پر استدلال کرنا غلط ہے۔ مفکر ملت ڈاکٹر اقبال ایسے ہی لوگوں کو سامنے رکھ کر لکھتے ہیں ؎ اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانہ میں

تو اقبال اسکو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے

کانٹ وغیرہ نامورانِ یورپ کی غلطی فن سائنس کے اکابر کے حالیہ تحقیق سے بھی ہو رہی ہے۔

ارباب سائنس کا ہستی باری پر فیصلہ

سر جیمس جینز نے برٹش ایسوسی ایشن میں سائنس پر جو مقالہ پڑھا۔ اسمیں موصوف نے کہا کہ سائنس نے اب اقرار کرلیا ہے کہ حسی عالم سے ہم جو اس ظاہری کے بنا پر مانوس ہیں۔ کم از کم ویسا ہی ایک عالم غیب بھی ہے تیس سال قبل سائنس کا زور اپنے علم پر تھا آج زور اپنے جہل پر ہے۔ تیس سال قبل نام نہاد (معجزات) قابل مضحکہ تھے۔ آج معجزات ممکن ہیں۔ بلکہ اغلب ہیں۔ کہنا چاہیئے کہ قطعی ہیں۔ کائنات میں عظمت ناپیدا کنار کے جلوے صحیح سائنس کو خدا تک لا رہے ہیں (بائبل از ٹرڈ ص ۲۶۹ بحوالہ صدق ۱۱ و ۲۱ مئی ۱۹۳۸ء)

حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر غور کرنے کے لئے آج بھی اس کی مفرد ذرات و مخلوقات ہی دلیل ہیں۔ اور کائنات کی وسعت میں پھیلے

ہوئے تمام برگ و بار ذرہ سے لیکر آفتاب تک سب ہی اس کے روشن ترین گواہ ہیں۔

منکرین خدا کو ایک ضروری تفہیم

اب ان منکرین خدا دہری حضرات سے میری گذارش ہے جو عقل ہی کے میزان سے ہستی خدا کو سمجھنا اور تولنا چاہتے ہیں اور اسی معیار اور اسی پیمانہ سے جانچنا اور ناپنا چاہتے ہیں کہ جس عقل سے وہ سمجھنا چاہتے ہیں اس عقل کا حال سوچیں کہ کیا ہے اور پھر یہ کہ کیا عقل ہر جگہ کام دے سکتی ہے۔ ہمارے مشہور شیرازی فلسفی نے کیا سچ لکھا ہے ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

واقعہ یہ ہے کہ میزان عقل خود کوئی ایسا کانٹا نہیں ہے جس کے وزن پر کوئی غلطی نہ رہ جائے۔

میزان عقل کا حال

ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جس طرح مادی اشیاء کے لئے وزن کے میزان مختلف ہیں اسی طرح خود عقل میں بھی تفاوت ہے۔ پس بتلائیے کس عقل کا فیصلہ صحیح مانا جائے اور اس میں محاکمہ کون کرے؟ انیسویں صدی کی عقل یا بیسویں صدی کی یا پھر اس کے مابعد کا عقل۔ بیشک عقل ایک کانٹا ہے مگر کیا ہر عقل میں ہر بات آ سکتی ہے۔ سو سنئے جس طرح مادی اشیاء کے وزن کے لئے علیٰ قدر مراتب میزان مختلف ہیں۔ اسی طرح میزان عقل

کا حال ہے کہ ایک موقعہ پر وہ جا کر جاتی ہے (عقل ونقل مولفہ مولانا شبیر احمد صاحب ص ۲۳

دیکھئے سبک ولطیف اشیاء کے وزن کے لئے میزان اور طرح کا ہے۔ پاور ہاؤس کی طرف سے ایک کمرہ میں ایک میزان رہتا ہے۔ اس میں روشنی کا وزن ہو جاتا ہے۔ عینک کا پاور وزن کرنے کے لئے ایک گھڑی نما میزان ہے جب عینک کا شیشہ مس کرتے ہی گھڑی کی سوئی متحرک ہو کر پاور کا پتہ دے دیتی ہے۔ اسیطرح ہوا اسکی سردی خنکی۔ بارش۔ اس کا ثقل اس کی دبازت' حرارت اس کی شدت خفت' یہ سب چیزیں وزن میں آرہی ہیں خالص مادی چیزوں کے وزن کے لئے بھی میزان مختلف ہے۔ سنار کا میزان اور ہے اور کاروباری لوگوں کا میزان اور ہے۔ ڈاک خانہ کا میزان اور ہے اسٹیشن کا میزان اور ہے اور شوگر فیکٹری میں گاڑی کے تول کا میزان اور ہے ویگن کے تولنے کا میزان اور ہے۔ اسٹیشن والے کانٹے کا مال ڈاکخانہ کے میزان پر نہیں آسکتا۔ اور ڈاک خانہ کا پارسل سنار کے میزان پر نہیں آسکتا۔ اور سنار کا تولہ' ماشہ حرارت کے تول والے میزان پر نہیں آسکتا۔

علامہ ابن خلدون کی ایک قیمتی بحث:۔ علامہ ابن خلدون میری اس رائے سے متفق ہیں۔ میری اس کتاب کی تحریر کے وقت مقدمہ ابن خلدون کی ایک عبارت میزان عقل کے بحث پر اسی طرح نکلی کہ ادراک نبوت کے مقابلہ میں ادراک عقل کا بے بس ہونا اس کی دلیل نہیں کہ ہم نے عقل کو ناکارہ سمجھ لیا۔ عقل بیشک میزان ہے لیکن جس طرح امور آخرت ومعاد ومقدرات الہیہ وکنہ نبوت کو میزان عقل میں نہیں تولا جاسکتا کیونکہ یہ امور عظیم الشان ہیں۔ اور عقل کے کانٹا میں ان مباحث کیلئے اتنی طاقت نہیں کہ اسمیں یہ امور وزن ہوسکیں جیسے سنار کے کانٹا پر پہاڑ کا وزن نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے باوجود سنار کے کانٹا کو نادرست نہیں کہا جاسکتا۔

پس اسی طرح عقل بیشک ایک میزان ہے لیکن ہر ادنیٰ و لطیف بات ہر عقل میں آجائے یہ غیر ممکن ہے۔ انسانی کان انسانی آنکھ کی طرح انسانی دماغ کی رسائی بھی بہت محدود و قلیل ہے۔ یہ بھی خود عقل ہی کا فیصلہ ہے کہ میزان عقل کی بھی بہتیری قسمیں اور بہت مختلف درجے ہیں۔ پس اگر ایک کمزور عقل والا انسان کسی لطیف بات کا اپنی عقل سے ادراک نہ کرسکے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سے زائد فکر و عقل والا بھی اپنی ادراک میں نہیں لاسکتا۔

نیوٹن کی ایک قیمتی بات

یورپ کے مشہور فلسفی نیوٹن نے یہ نہایت قیمتی بات لکھ دی ہے۔ کہ جس طرح ایک کمزور آدمی ایک من کا بوجھ آئیہ قدم لے چلنے سے عاجز ہے مگر وہ یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ مجھ سے زیادہ طاقت والا بھی اس کو نہیں لے جاسکتا۔ اسیطرح غور و فکر کی کم قوت رکھنے والا کسی مسئلہ کا ادراک نہ کرسکنے پر یہ فیصلہ ہرگز نہیں کرسکتا کہ مجھ سے زائد غور و فکر والا اور زائد عقل و معرفت رکھنے والا بھی میری طرح اسکی فہم و بصیرت سے عاجز ہوگا۔ پس یہ خداشناسی میں اصحاب ریاضت و اصحاب کشف نے اور صاحبان وحی نے خداطلبی، خدابینی میں جو حصہ پایا ہے اس سے ہر کس و ناکس کا بہرہ یاب ہونا ضروری نہیں کیونکہ صاف معلوم ہے کہ میزان عقل بھی مختلف المراتب ہے اور ہر طرح کی دماغی و ذہنی امر کا ہر مرتبہ عقل میں آجانا قطعاً ضروری نہیں ہے پس اگر ہر کس و ناکس، اور ہر عامی کو یہ معرفت حاصل نہ ہو تو وہ اپنی عقل و فہم کا قصور سمجھے آکا کے متعلق شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

اگرم کب عقل را پویہ نیست
عنانش بگیرد تحیر کہ ایست

اسی کا ترجمہ (اردو) کسی اہل دل نے یہ خوب کیا ہے ؎

عطا کی عقل جس نے عقل اس کو کس طرح پائے
سمجھ بخشی ہے جس نے وہ سمجھ میں کس طرح آئے
یہ کہہ دو فلسفی سے جا کے سر پتھر سے ٹکرائے
حدیث علت و معلول سے میرا نہ سر کھائے

ایک عارف باللہ نے "مرکب عقل" سے زیادہ کام لینے کی نسبت اسی موقعہ پر یہ ہدایت کی ہے ؎

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را
(حافظ شیرازیؒ)

عقل کی بے بسی

زمین۔ آگ۔ پانی۔ بسیط ہیں یا مرکب! اسکے اجزا متناہی ہیں یا غیر متناہی۔ اس کی صحیح حقیقت نہیں معلوم ہو سکتی اسیطرح نفس کیا چیز ہے اس کے متعلق بھی صاف پتہ نہیں لگ سکتا۔ حالانکہ یہ ہر وقت ہمارے پاس ہے۔
جب ان سب امور کے دریافت میں عقل کا یہ عجز ہے تو اسرار غیب کے معلوم کرنے اور عقل کی رسائی وہاں تک کرنے کی ہم کیونکر امید کریں۔ (عقل و نقل ص ۲۶)

منکرین خدا کا بلا دلیل جوش و غصہ

اخبار پیغام صلح لاہور ۲۱ ستمبر ۱۹۲۷ء کے حوالہ سے دو ہندو لیڈروں کی تقریر کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"مذہب نے بنی نوع انسان کو اتنا شدید نقصان پہنچایا ہے کہ اسکی

تلاقی ابداً ممکن نہیں ہے۔ وقت آگیا ہے کہ انسانیت کی محفل سے مذہب کو کان پکڑ کے باہر نکال دیا جاوے اور اس کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاوے۔

مسٹر اوپی کی تقریر کا اقتباس یہ ہے۔

"مذہب دماغ انسانی کا محض ایک فریب ہے۔ خدا کا کہیں کوئی وجود نہیں انسان کے وہم نے خدا کی ذات کو خود تصنیف کر رکھا ہے۔ مسیح اگر جرمنی میں جہاں ہٹلر کا دوردورہ ہے از سر نو جنم لے لیا ہے تو یقیناً دوبارہ سولی پر لٹکا دیا جائے ہندوستان کی موجودہ مشکلات کی ساری ذمہ داری خدائی تصور اور مذہب پر عاید ہوتی ہے جو سائنس اور عقل کی ایک غضب آلود نگاہ کی تاب بھی نہیں لا سکتا" صہ۲

ناظرین کرام! دیکھئے خدائی ہستی کے انکار اور غصہ کے اظہار کی بنیاد کس قدر بے بنیاد ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے "تذکرہ" میں لکھا کہ عہد عباسیہ کے حدود موجودہ جغرافیہ ارضی کے لحاظ سے ایک طرف ساحل بمبئی تک اور دوسری طرف صحرا افریقہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ (صہ۳)

اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا بنو عباسیہ کی یہ وسعت مملکت ان کو جبھی حاصل ہوئی تھی جبکہ انھوں نے مذہب کو انسانیت کی محفل سے کان پکڑ کر نکال دیا تھا۔ اب یہ اعلان کر دیا تھا کہ خدا کوئی چیز نہیں ہے۔ تاریخ اسلام پر غور کیجئے۔ جب تک لوگوں میں مذہبیت رہی ہستی خدا کا اعتراف رہا۔ ان کے اعمال اچھے رہے ان کو ہر طرح سے ترقی وغیرہ ملی مذہب کو مانع ترقی سمجھنا غلط ہے۔ اسلام نے تو تمدن و ترقی کی بنا ہی ڈالی ہے۔ اسلام نے صحرا نشینان عرب کو قعر ذلت و پستی سے نکال کر ایسی عروج و رفعت کے مرتبہ پر ان کو پہنچا یا کہ قیصر و کسریٰ کی رفعتیں اور ان کی ساری شوکتیں اسلام کے آگے نہ صرف ہیچ ہو گئیں بلکہ اسلامی رفعت و ترقی کے غلام ہو گئیں یہ ہے مذہب جس کی بابت مولانا حالی کا شعر موزوں ہے ؎

مہ آج "جیسے" والوں نے خود ہٹلر کا دور دورہ ختم کر دیا ہے۔

گدڑیوں کو عالم کا سلطاں بنایا
وحوش اور بہائم کو انساں بنایا

اسی طرح مذہب کو عقل و سائنس کے خلاف سمجھنا بھی محض خوش فہمی ہے۔ سائنس کا فیصلہ ابھی مذکور ہو چکا کہ وہ کس طرح عالم غیب و خدا کا معترف ہے اور عقل کی حالت اور اس کی رسائی کی حقیقت بھی ابھی واضح کی جا چکی ہے۔

خدا کے تصوّر پر تمام اہل مذاہب کا اتفاق

اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ دنیا میں تمام مذہبی جماعتیں خدا کے اقرار پر متفق ہیں۔ سناتن دھرمی ہوں یا آریہ سماج، عیسائی ہوں یا یہودی، بدھ ہوں یا جینی۔ یہ تمام جماعتیں مسلمانوں کی طرح خدا کی ہستی اور وجود پر بالکل اتفاق رکھتی ہیں۔ شیخ سعدیؒ بوستاں میں کیا خوب فرماتے ہیں ؎

جہاں متفق بر الٰہیتش
فرو ماندہ در کنہ ماہیتش

زیادہ سے زیادہ باہمی جھگڑا یہ ہے کہ دیگر مذاہب میں خدا کی صفات مکمل طور پر بیان نہیں ہوئیں یا یہ کہ خدا کی صفات عالیہ کی تصویر ان کی کتابوں میں کچھ غلط آ گئی ہے۔ باقی نفس وجود خدا پر ان تمام مذاہب کا بالکل اتفاق ہے تمام ادیان و ملل کا یہ اتفاق بجائے خود خدا کی ہستی پر ایک دلیل قاطع ہے۔ کیونکہ ایسا اتفاق ادیان عالم کا کسی کذب محض پر عقلاً ناممکن ہے۔ اب ہم اس جگہ کئی طرح سے ہستی خدا پر دلائل نقل کریں گے جن سے ان شاء اللہ تعالیٰ عقل انسانی کی بہت کچھ تسلی و تشفی ہو جاوے گی۔ لیکن تبرکاً آئمہ کرام کے چند سادہ دلائل یعنی تفسیر کبیر سے نقل کرتے ہیں جو اہل فہم و صاحبان بصیرت کے لئے معقول و واضح ہیں۔

امام مالکؒ کی دلیل

ہارون رشید نے امام مالکؒ سے وجود باری تعالیٰ پر سوال کیا تو انہوں نے آواز وں کی مختلف ہونے اور سروں کی تبدیلی اور لغات کے اور زبان کے رنگارنگ ہونے سے حجت پکڑی۔ ارشاد ہے۔ ومن آیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذالک لآیٰت للعٰلمین (روم) خلق زبان اور جملہ مخارج کے وحدت کے باوجود لغت وآواز کا شدید اختلاف ہستی خدا پر بین دلیل ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل

امام شافعیؒ سے کچھ دہریہ لوگوں نے پوچھا کہ وجود صانع پر کیا دلیل ہے تو انہوں نے کہا کہ توت کا پتہ اس کا مزہ اور رنگ وبو اور طبیعت تم لوگوں کے نزدیک ایک ہے یا نہیں۔ ان لوگوں نے کہا ہاں ایک ہے تو امام صاحب نے کہا کہ ریشم کا کیڑا اسکو کھاتا ہے تو اس کے پیٹ سے ریشم نکلتا ہے اور شہد کی مکھی اس کو کھاتی ہے تو اس کے پیٹ سے شہد نکلتا ہے اور بکری کھاتی ہے تو اس کے پیٹ سے مینگنیاں نکلتی ہیں۔ اور مشک ہرن اس کو کھاتے ہیں تو اس کے نافوں سے مشک نکلتا ہے تو یہ بتاؤ کہ مختلف اثر اس میں کس نے رکھا ہے۔ حالانکہ طبیعت ایک ہے۔ تو ان لوگوں نے اس جواب کو اچھا سمجھا اور ان کے ہاتھ پر اسلام لائے اور وہ ستر ۱۷ آدمی تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل

امام احمد بن حنبلؒ نے یہ حجت پیش کی کہ یہ ایک بڑا مضبوط اور چکنا قلعہ ہے

کوئی اس میں سوراخ نہیں ہے۔ اس کی باہر کی جانب تو ایسی ہے۔ جیسے چاندی پگھلی ہوئی ہوتی ہے اور اس کا اندر خالص سونے کی طرح، پھر اس کی دیواریں لکا یک پھٹیں اور قلعہ کے اندر سے ایک حیوان سماعت اور بصارت والا نکلا تو ضرور اس کا کوئی فاعل ہونا چاہیئے۔ مراد امام کی قلعہ سے انڈا ہے اور حیوان سے مراد چوزہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

امام ابوحنیفہؒ دہریوں کے حق میں تلوار تھے اور وہ لوگ ان کے قتل کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ امام رازیؒ نے زیر تفسیر ادکصیّب من السماء یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن امامؒ اپنی مسجد میں بیٹھے ہی تھے کہ اچانک ایک غول انہیں لوگوں کا ننگی تلواریں لئے ہوئے ان کے قتل کے ارادہ سے ان پر آن چڑھا۔ تو امامؒ نے کہا کہ تم لوگ پہلے مجھے ایک بات کا جواب دے دو پھر جو چاہو سو کرو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں وہ بات پیش کرو تو انہوں نے کہا کہ تم لوگ اس شخص کے بارے میں کیا کہو گے جو تم سے یہ کہے کہ میں نے دریا میں ایک کشتی دیکھی ہے جس میں قسم قسم کے مالوں کے بوجھ بھرے ہوئے ہیں اور دریا کی موجیں جدھر ہواؤں کا زور ہوتا ہے اس کو ادھر ادھر نہیں کر سکیں اور مختلف قسم کی ہوائیں چلتی ہیں لیکن وہ کشتی برابر سیدھی چلی جاتی ہے اور کوئی اس کا خبر گیر نہیں۔ نہ کوئی ملاح ہے جو اس کو چلائے۔ اپنے آپ ہی چلتی ہے۔ تو کیا یہ بات عقلاً درست ہے یا نہیں؟

تو ان سب لوگوں نے کہا کہ اس بات کو عقل بالکل قبول نہیں کرتی۔ تو امام صاحبؒ نے کہا سبحان اللہ! بڑا تعجب ہے کہ ایک کشتی کا دریا میں سیدھا چلا جانا بغیر کسی ملاح اور چلانے والے کے عقل تجویز نہیں کر سکتی اور

اور اس دنیا کے کاروبار مختلف حالات اور اطوار میں باوجود اس کے اتنا فراخ ہونے کے بغیر کسی بے انتہا ہونے کے بغیر کسی محافظ کے کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ تو وہ لوگ سب کے سب رو پڑے اور کہنے لگے کہ تو نے بیشک سچ کہا ہے اور سب نے اپنی تلواریں میان میں کر لیں اور تائب ہو گئے امام ابو حنیفہ رح کا یہ استدلال سورہ بقرہ کی آیت کریمہ رکوع ۱۹ سے ماخوذ ہے۔ ارشاد ہے۔

ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من کل دابۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیت لقوم یعقلون (سورہ بقرہ رکوع ۱۹)

امام جعفر صادقؒ کی دلیل

ایک ملحد و زندیق شخص نے امام جعفر صادقؒ کے سامنے وجود صانع کا انکار کیا۔ تو امام جعفرؒ نے اس سے کہا کہ تو کبھی سمندر میں کشتی پر سوار ہوا ہے۔ اس نے کہا ہاں! کیوں نہیں۔ انھوں نے کہا کہ کبھی اس میں خوف بھی تمہیں پیش آیا۔ اس نے کہا کہ جی کیوں نہیں۔ ایک دن بڑی ہولناک ہوائیں چلیں جنہوں نے کشتیوں کو توڑ ڈالا اور ملاحوں کو غرق بھی کر دیا۔ تو میں ایک تختہ پر لیٹ گیا تو وہ تختہ بھی مجھ سے چھوٹ گیا۔ تو لہروں کی جوش نے مجھے ڈھکیلتے ڈھکیلتے ایک کنارہ پر ڈال دیا۔ تو امام

جعفرؒ نے کہا کہ پہلے تو تمہارا اعتقاد کشتی و ملاح پر تھا۔ پھر اس تختہ پر کہ شاید تجھے نجات دلوا دے۔ پھر جب یہ سب چیزیں تیرے ہاتھ سے نکل گئیں تو تو نے اپنے کو ہلاکت کے لئے بالکل سونپ دیا یا اس کے بعد بھی سلامتی کی امید کچھ رکھتا تھا یا نہیں۔ اس نے کہا کہ اس کے بعد بھی امید سلامتی کی رکھتا تھا۔

تو انہوں نے کہا کہ اب کس سے؟ تو وہ شخص چپ ہو گیا تو امام جعفرؒ نے کہا کہ جس سے تو اس وقت امید رکھتا تھا اور جس نے تجھے اس وقت ڈوبنے سے بچایا وہی خدا ہے۔ تو وہ شخص ان کے ہاتھ پر اسلام لے آیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کے دل میں کسی بالا دست ذات کے سہارا ہونے کا خیال موجود ہے۔ ایک عارف باللہ کا شعر اسی معنی میں ہے ؎

تو دل میں آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے (اکبر الٰہ آبادی)

امام ابوحنیفہؒ کی ایک وجدانی دلیل

دہریوں نے امام ابوحنیفہؒ سے خدا کے وجود پر سوال کیا تو انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ والدین چاہتے ہیں کہ ہمارے یہاں لڑکا ہو۔ اور ان کی خواہش کے برخلاف لڑکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اگر کبھی لڑکی کی خواہش ہوتی ہے تو لڑکا پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بات وجود صانع پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ارشاد ہے ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے اللہ ملک السموات والارض

یخلق من یشاء ۔ یھب لمن یشاء اناثا و یھب لمن یشاء الذکور ۔ (سورہ الشوریٰ) اسی معنے میں کسی کا شعر کیا خوب ہے ؎

ہم نے چاہا بہت پر نہ چاہا اس نے
چاہا اس کا ہوا چاہا ہمارا نہ ہوا

ارسطو کا استدلال

ایک استدلال خدا کے اثبات پر ارسطو کا نقل کرتا ہوں۔ اس نے لکھا ہے کہ عالم کے تمام اجزا میں کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے کیونکہ تمام اجسام یا بڑھتے رہتے ہیں یا گھٹتے رہتے ہیں یعنی پرانے اجزاء فنا ہوتے جاتے ہیں اور ان کی بجائے نئے آتے رہتے ہیں۔ اجزاء کا بدلتے رہنا ہی ایک قسم کی حرکت ہے۔ اسی لئے تمام عالم متحرک ہے۔ اور جو چیز متحرک ہے ضرور ہے کہ اسکے لئے کوئی محرک ہو۔ اب دو صورتیں ہیں یا یہ سلسلہ کسی حد تک ختم ہوگا یعنی آخیر میں ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو بالذات یا بواسطہ تمام اشیاء کی محرک ہے اور خود متحرک نہیں۔ یہی خدا ہے یا یہ سلسلہ کہیں ختم نہ ہوگا۔ اس صورت میں غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا۔ اور یہ محال ہے۔

وجود باری پر متکلمین کا استدلال

متکلمین اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ عالم دو صورت سے خالی نہیں ہوگا یا جوہر ہوگا عرض ہوگا۔ اور جوہر اور عرض دونوں حادث ہیں۔ عرض کا حادث ہونا تو ظاہر ہے (کیونکہ وہ پیدا ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے۔ جیسے بو، رنگ خوشی وغیرہ) جوہر اس لئے کہ کوئی جوہر عرض سے خالی نہیں۔ اور یہ معلوم ہے

کہ جو چیز عرض سے کبھی قدیم ہو۔ کیونکہ دو چیزیں جو لازم و ملزوم ہوں۔ ان میں سے ایک چیز اگر قدیم ہوگی تو ضرور ہے کہ دوسری چیز بھی قدیم ہو۔ ورنہ لازم و ملزوم میں نفصل زمانی لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

اور جب ثابت ہوا کہ جوہر و عرض دونوں حادث ہیں تو ان کا حادث ہونا عالم کا حادث ہونا ہے۔ تو اب ضرور ہے کہ اس کے لئے کوئی علت ہو اب اگر علت بھی حادث ہے تو اس کے لئے کوئی علت درکار ہوگی۔ اس صورت میں اگر یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم ہوگا تو وہی خدا ہے اور ختم نہ ہوگا دور و تسلسل لازم آئے گا۔ اور دور و تسلسل باطل ہے۔ (الکلام مؤلفہ شبلی حصہ دوم ص ۲۳)

مولانا رومیؒ کا استدلال

وجود باری کے استدلال میں اشاعرہ کا وہ مسلک مشہور ہے جس میں تسلسل کے باطل کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے لیکن مولانا روم نے ایک ایسا استدلال کیا ہے جس کو تسلسل کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ فرماتے ہیں۔

یہ تو مسلم ہے کہ علت کو معلول پر ترجیح ہے یعنی علت میں کوئی ایسی خصوصیت ہوتی ہے جو معلول میں نہیں ہوتی ورنہ اگر دونوں ہر حیثیت سے برابر ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک معلول ہو اور دوسرا علت۔ یہ امر بھی مسلم ہے کہ ممکنات کا وجود بالذات ہے یعنی وجود خود اس کی ذاتی صفت نہیں بلکہ اس کا وجود علت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کائنات میں علت و معلول کا سلسلہ تو ہرا ہنگ نظر آتا ہے۔ گفتگو جو کچھ ہے یہ ہے کہ یہ سلسلہ کسی ایسی ذات تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے جو واجب الوجود

ہے یعنی وجود خود اس کا ذاتی ہے یا اسی طرح الی غیر النہایہ چلا جاتا ہے
پہلی صورت میں خدا ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ یہی واجب الوجود خدا ہے
دوسری صورت میں لازم آتا ہے کہ علت کو معلول پر کوئی ترجیح نہ ہو بلکہ دونوں
مساوی الدرجہ ہوں۔ کیونکہ جب کائنات کسی واجب الوجود پر ختم نہ ہوگا۔
تو علت و معلول دونوں ممکن بالذات ہوں گے اور جب دونوں ممکن بالذات
ہوئے تو علت کو معلول پر کیا ترجیح ہے ؟

ہستی خدا پر امام غزالیؒ کا استدلال

قدم عالم کا مسئلہ یونانی فلاسفہ کے نزدیک ایک محکم مسئلہ ہے جس کے استدلال
میں حسب ذیل مقدمات سے کام لیا جاتا ہے۔

(۱) جو چیز ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اس کو واجب کہتے ہیں۔
(۲) جو چیز نہ کبھی موجود تھی اور نہ آئندہ ہو سکتی ہے وہ ممتنع ہے۔
(۳) جو چیز ہمیشہ سے نہیں ہے لیکن وجود میں آئی اور فنا ہو جاوے گی وہ
ممکن ہے۔
(۴) جو چیز ممکن ہے وہ موجود ہونے سے پہلے بھی ممکن تھی کیونکہ اگر ممکن نہ
تھی تو یا واجب ہوتی یا ممتنع۔ لیکن اگر واجب ہوتی ہو تو ہمیشہ سے
موجود ہوتی۔ اور اگر ممتنع ہوتی تو کبھی وجود میں نہ آتی۔
(۵) صفت کے لئے موصوف کا وجود ضروری ہے مثلاً اگر سیاہی کا وجود
ہے تو ضرور ہے کہ وہ سیاہی کسی خاص شے میں پائی جاوے۔

ان مقدمات کے بعد عالم کے قدیم ہونے پر اس طرح استدلال کیا
جاتا ہے کہ عالم وجود میں آنے سے پہلے ممکن تھا (بربنائے مقدمہ ۴)

اور چونکہ ممکن ہونا ایک صفت ہے اور صفت کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کوئی چیز موجود تھی جس کے ساتھ امکان کا یہ وصف قائم تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب عالم موجود نہ تھا اس وقت بھی کوئی شے تھی جس سے یہ عالم وجود میں آیا۔ مثلاً دیکھو ایک صراحی جو اس وقت موجود ہے۔ جب نہیں موجود تھی تب بھی کوئی شے (مٹی) موجود تھی جو ایک خاص صورت پکڑ کے اب صراحی بن گئی۔

امام غزالیؒ نے اس استدلال کو رد فرما دیا ہے کہ یہ مسلم نہیں کہ ہر قسم کی صفات کے لئے موصوف کا وجود خارجی ضرور ہے۔ امتناع بھی تو ایک صفت ہے اس کا موصوف کہاں ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ شریک باری ممتنع ہے۔ تو ظاہر ہے کہ امتناع کے صفت کا موصوف شریک باری ہے۔ لیکن کیا شریک باری خارج میں موجود ہے۔ اور کلی ہونا ایک وصف ہے اس کا موصوف خارج میں کیونکر پایا جا سکتا ہے۔ خارج میں جو چیز موجود ہوگی وہ جزئی ہوکر ہوگی کلی نہیں ہو سکتی۔ پس یہ ادعا صحیح نہ رہا کہ صفت کا موصوف خارج میں موجود ہوتا ہے جس سے قدم عالم کا مسئلہ صاف غلط نکلا۔ اب غیر موجود عالم کی وجود بخشی اور اس کا احداث جس ذات نے کیا ہم اسی کو خدا کہتے ہیں۔ (الغزالی مؤلفہ شبلی ص۱۰۱)

وجود باری پر شکل کے حدوث سے استدلال

مادہ حادث ہے دلیل ملاحظہ ہو۔ کہ مادہ پر جو پہلی صورت تھی جب اس صورت کے سوا دوسری صورت آتی ہے تو اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو صورت اول مثلاً کرویت تھی۔ صورت ثانیہ کے وقت جو مربعیت ہے۔ زائل

ہو گی یا نہیں۔ اگر نہیں زائل ہوتی تو اجتماع نقیضین لازم آتا ہے۔ اگر زائل ہو گئی تو صورت ثانیہ حادث ہوئی۔ کیونکہ پہلے کے زوال کے بعد یہ صورت پیدا ہوئی ہے۔ پس جب صورت ثانیہ حادث ہوئی اور ظاہر ہے کہ صورت کے ساتھ مادہ کا تلازم ہے تو مادہ بھی حادث ہوا کیونکہ مادہ کا وجود اگر پہلے ہو جاوے تو صورت کے ساتھ تلازم نہ رہا حالانکہ یہ ضروری ہے کما لا یخفی علی المبتدی فضلاً عن الماھر۔ پس جب مادہ حادث ٹھہرا تو اب ضروری ہے کہ اس کے لئے علت محدثہ ہو اور یہی موجد و محدث خدا ہے۔

تخلیق مادہ سے وجود باری کا استدلال

مادہ معدوم ہے ظاہر ہے کہ جب ہم کسی مرغی کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ اس کا وجود اپنے مادہ سے ہوا ہے جو کہ انڈا ہے اور پھر سوال ہوتا ہے کہ آخر انڈا کہاں سے پیدا ہوا تو نہایت آسانی سے جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ انڈا دوسری مرغی سے حاصل ہوا ہے لیکن جب سلسلہ کلام آگے بڑھایا جاوے اور کہا جائے کہ اچھا یہ انڈا مرغی سے پیدا ہوا لیکن یہ مرغی کس سے پیدا ہوئی تھی اور یہ انڈا مرغی سے پیدا ہوا ہے تو لامحالہ ایک حد انتہا میں ایسی پیدا ہو گی جہاں سلسلہ جا کر رک جاوے گا۔ کیونکہ پوچھا جائے گا کہ اچھا پہلی مرغی کے وجود کا مادہ یعنی پہلا انڈا کس سے پیدا ہوا۔ اگر کہو مرغی سے تو اس سے پہلے کوئی مرغی نہیں جس سے یہ انڈا ہو۔ کیونکہ ہم نے پہلی مرغی کی بابت سوال کیا ہے۔ اگر اس سے پہلے کوئی اور مرغی ہو تو یہ پہلی نہیں ہو گی۔ پس لامحالہ پہلا انڈا جو اور تسلسل کو حذف کرنے کے سبب معدوم محض رہا ہو گا۔ جسے خدا کی عنایت کاملہ نے ظہور اور

وجود دیا۔ اور اس کو نیستی سے نکال کر ہست کیا۔ کیا ہی سچ ہے خلق کل مشئ فقدرہ تقدیرا۔ ہم ایسی ہی موجد و مبدع ذات کا نام خدا قرار دیتے ہیں۔

وجود باری پر اختلاف اشکال سے ایک اور استدلال

مادہ (جسکو آریہ و دہریہ لوگ قدیم کہتے ہیں) ابتدائی حالت اور آغاز دنیا میں کسی نہ کسی شکل سے ضرور متشکل ہو گا۔ اور یہ امر تو بالکل ظاہر ہے کہ جس شکل سے بھی وہ متشکل ہو۔ وہ شکل حادث ہوگی۔ کیونکہ اگر حادث نہ ہوتی تو زائل بھی نہ ہوتی کیونکہ قدیم کو زوال نہیں۔ اس امر کو دنیا کے کل اہل عقل و اہل مذاہب حتیٰ کہ آریہ حضرات بھی مانتے ہیں چنانچہ سوامی جی بارہویں سملاس ص۵۲۳ میں لکھتے ہیں۔ ازلی قدیم کا دور ہونا ناممکن ہے۔ پس جبکہ اشکال کا زوال ہم بدیہی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ حالت ترتیب میں مادہ نے پہلی شکل نہیں رہتی اب بعد ازاں بھی رد و بدل ہوتا رہتا ہے لہذا شکل حادث ٹھہرا اور یہ ضرور ہے کہ مادہ کسی نہ کسی شکل سے متشکل ہو کیونکہ شکل دائرہ ○ یا احاطہ خطین ⌐ یا خطوط مثلث ▽ یا خطوط مربع ▭ کا مثلاً نام ہے تو اب شکل کے حدوث سے مادہ کا حدوث لازم آیا۔ کیونکہ جو محل حوادث ہوتا ہے وہ خود حادث ہوتا ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جب مادہ کا حدوث دلیل مذکور سے ثابت ہو گیا تو ضرور ہے کہ حادث کے لئے کوئی علت محدثہ ہو۔ کیونکہ شئے حادث بوجہ حدوث ممکن الوجود ہے اور چونکہ ممکن کے وجود و عدم میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح ملنا بلا مرجح کے ناجائز ہے اسلئے ایک علت مرجحہ کا ثبوت لازماً ماننا پڑتا ہے۔ اسی مرجح اور محدث کا دوسرا

نام ہم خدا رکھتے ہیں چنانچہ خداوند عالم نے صورتوں کے اختلاف اور اشکال کے تغیر و تبدل کو اپنی ذات پاک کی آیات بینات میں شمار کیا ہے۔

نیستی سے ہستی دیکھ کر وجود باری کا استدلال

آریہ حضرات خدا تعالیٰ کو فلاسفہ کی طرح محض ایک بہرا گونگا لولا لوُچا بے زور بے اختیار کا خدا مانتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ خدا نیستی سے ہستی نہیں کر سکتا کسی شئے کی تخلیق و ایجاد، تکوین و تصویر اسکے اختیار میں نہیں۔ بنابریں وہ روح و مادہ کو بھی غیر مخلوق غیر حادث اور انادی پدارتھ یعنی قدیم بالذات کہتے ہیں اور کسی نیست و غیر موجود کے ہست و موجود ہونے کا سخت انکار کرتے ہیں۔ ستیارتھ پرکاش میں بھی سوامی جی نے جس قدر توہمات کئے ہیں ان کا جواب حضرت مولنٰنا عبدالصمد صاحب رحمانی مونگیری نے "نیست سے ہست" رسالہ میں مکمل کر دیا ہے۔ ہم اس جگہ دو ایک دلیل خود سوامی جی کی کتاب سے ہی نقل کرتے ہیں جس سے نیستی سے ہستی کا ثبوت صاف نکلیگا۔

نیستی سے ہستی پر دلیل اول

سوامی جی لکھتے ہیں کہ

جو شئے انادی تھی وہ کبھی دور نہیں ہوسکتی (ستیارتھ پرکاش باب ۱۲ ص ۵۴۶) ازلی کا دور ہونا ناممکن ہے (باب ۱۲ ص ۵۱۸) چونکہ حسب اعتقاد آریہ سماج پرلے کے وقت اجسام منفصلہ کا اتصال جاتا رہتا ہے اور ان پر انفصال طاری ہو جاتا ہے۔ (کھبو مکا ص ۲۱۰)

اس لئے سوال یہ ہے کہ مادہ (پرماتو) میں یہ وصف انفعال قدیم جیسا حادث۔ اگر قدیم ہے تو بوقت پرلے (فنا) اس وصف [illegible] زائل نہ ہونا چاہیے کیونکہ جو شے انادی (قدیم) ہے اس [illegible] محل ہے (ستیارتھ) اور اگر یہ وصف انفعال پرماتو (مادہ) میں حادث ہے (جیسا کہ باقاعدہ مذکورہ بالا لازم آیا) تو نیستی سے ہستی ہو گئی۔

نیستی سے ہستی پر دلیل ثانی،

اور چونکہ یہ بھی قاعدہ ہے کہ جو اشیاء غیر فانی ہیں ان کی صفات بھی غیر فانی ہے (ستیارتھ باب ۷ ص ۹) جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس کو قدیم کہا جاوے اس کی صفتیں بھی قدیم غیر حادث ہوں گی کیونکہ اگر صفتیں حادث ہوں تو قدیم محل حوادث بن جائیگا اور محل حوادث خود حادث ہے جیسا کہ سوامی جی فرماتے ہیں۔ فانی جواہروں کے صفات بھی فانی ہوتے ہیں (باب ۷ ص ۹) اس لئے مادہ جو انفعال و انفعال کا محل بنتا رہتا ہے خود حادث ہو گا۔ اب اگر یہ حادث مادہ کسی اور مادہ سے بنے تو اس مادہ پر بھی یہی سوال ہو گا پس اگر یہ حادث مادہ ثانی کسی مادہ ثالث سے بنے تو اس پر بھی یہی سوال وارد ہو گا وھکذا۔ تسلسل و دور باطل ہونیکی وجہ سے آخر ایک وقت ایسا ماننا پڑیگا کہ جب وہ نیست تھا اور ہست بحکم خدا ہوا۔

نیستی سے ہستی پر دلیل ثالث

بجو مکا منترجمہ بابو نہال سنگھ آریہ ص ۳۲۲ کا مضمون ہے ایس پرمیشور

نے پرتھوی یعنی زمین کے بنانے کے لئے پانی سے رس کو لیکر مٹی کو بنایا۔ اس طرح اگنی کے رس سے پانی کو پیدا کیا۔ اور آگ کو ہوا سے اور ہوا کو آکاش سے اور آکاش کو پرکرتی (مادہ) سے اور پرکرتی کو اپنی "قدرت" سے پیدا کیا۔ پس نیستی سے ہستی کا ثبوت یوں ہے کہ ہم پوچھتے کہ قدرت نے پرکرتی کو پیدا کیا۔ تو پرکرتی معدوم تھی یا موجود اگر موجود تھی تو پھر قدرت کے پیدا کرنے کے معنی کیا ہوئے۔ اور اگر معدوم (نیستی) تھی جیسا کہ بھومکا صلا کی عبارت اس پر گواہ ہے۔ جس وقت یہ ذروں سے مل کر بنی ہوئی دنیا پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت ست پرکرتی (یعنی کائنات کی غیر محسوس جس کو ست کہتے ہیں) وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو (ذرے) تھے بلکہ اس وقت صرف پربرہم کی سامرتھ (قدرت) یہ علت موجود تھی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا محض خداوندی قدرت سے پیدا ہوئی، اور خدا کی زبردست ہستی نے نیست سے ہست کیا شیخ سعدیؒ نے بہت خوب کہا ہے

> با مرش وجود از عدم نقش بست
> کہ داند جز او کردن از نیست ہست (بوستاں)

نیستی کے بعد ہستی کے امثلہ

(حسب اصول آریہ سماج ابتداء عالم میں انسان بغیر

مثال اوّل:- والدین کے پیدا ہوئے کیونکہ ابتدائی پیدائش "ایشوری سرشٹی" تھی۔ (ستیارتھ صـ۲۹۳ سملاس ۸) پس آریہ کو بھی تسلیم ہے کہ آغاز دنیا میں نیستی سے ہستی پرمیشور نے کی تھی۔

مثالِ ثانی:- ہم اس وقت ساکن ہیں تو حرکت یقیناً نیست ہے ہم چلنے لگیں، تو وہ (نیست) حرکت موجود ہو جاتی ہے۔

مثالِ ثالث:- ہم اس وقت چپ ہیں تو ہماری گویائی یقیناً معدوم (نیست) ہے۔ اب یہ معدوم گویائی جب ہم بولنے لگ جاویں تو موجود ہو جاتی ہے اسی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے انہ لحق مثل ما انکم تنطقون (سورہ ذاریات) کہ قیامت یا فنائے عالم کے بعد ہستی اسی طرح ہو گی جس طرح خموشی کے بعد گویائی ہست ہوتی ہے۔ پس نیستی کے بعد ہستی کا انکار کرنا محض تحکم اور بلا دلیل امر ہے۔ اب یہ ہستی اور وجود بخشی خدا تعالیٰ کا کام ہے۔

نباتات کا تنوع ہستی باری پر دلیل ہے

عالم نباتات میں غور کیجئے کہ بعض تو بیل بن کر زمین پر پھیلتے ہیں بعض اپنے قد پر کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر بعض کے پتے بڑے بڑے جیسا کہ ناریل اور کیلا اور بعض کے باوجودیکہ درخت بڑا تن آور ہوتا ہے بہت ہی چھوٹے پتے جیسے املی اور بعض کے پتے کم ملتے ہیں اور بعض کے ایسے کہ ایک منٹ میں سو بار سے زیادہ حرکت کرتے ہیں جیسے پیپل۔ پھر بعض کے پھلوں میں اندر کا مغز کار آمد اور باہر کا چھلکا جیسے بادام اور بعض کا برعکس جیسے کھجور۔ بعض درخت تو بڑے تن آور مگر پھل بہت ہی چھوٹے جیسے کہ جامن اور بعض برعکس جیسا کہ خربوز بینگن وغیرہ، پھر پھلوں میں مٹھاس ہے تو صدہا قسم کی ترشی ہے

وہ بھی گو ناگوں۔ بعض ایسے ہیں کہ جن میں صرف پھل آتا ہے پھول نہیں جیسے گولر۔ بعض میں پھول آتا ہے پھل نہیں جیسے گلاب۔ اور بعض ایسے ہیں جن میں نہ پھل آتا ہے نہ پھول۔ صرف ان کے پتیوں سے کام لیا جاتا ہے جیسے نیشکر۔ گنا۔ جن میں پھول آتا ہے ان پھولوں کی خوشبو ایک دوسرے سے کس قدر الگ ہے۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نباتات کے یہ کرشمے مادہ کا کام ہیں یا اپنی طبیعت اور نیچر کی کاریگری ہے مادہ فاعل نہیں منفعل ہوتی ہے بس مادہ کی طرف فعلیت فاعلیت کا انتساب ہی غلط ہے۔ پھر اگر طبیعت و نیچر کو ان سب اختلافات و صدہا احوال کے لئے علت مان بھی لیں تو علت واحدہ کے معلول میں اتنے عظیم الشان متضاد و تفاوت کیونکر پیدا ہوا۔ ماخوذ از تفسیر حقانی)

حکیم سنائی رح کے دو مشہور شعر اسی طرز استدلال کے متعلق مشہور ہیں۔ لکھتے ہیں ؎

چرا در یک زمین چندیں نبات مختلف بینم
زنخل و نار و سیب و بید و چوں آبی و چوں زیتون
اگر علت طبائع شد وجود جملہ را چوں شد
یکے ممسک یکے مسہل یکے دارد یکے طاعون

(شعر العجم)

اگر علت طبیعت ہے تو علت واحدہ کے معلول میں یہ اختلاف کیوں ہے کہ کوئی معلول ممسک ہے کوئی مسہل کوئی تریاق اور کوئی زہر پس معلوم ہوا کہ موثر حقیقی کوئی اور ہے جو متضاد خواص و اثرات کا فاعل و جاعل ہے۔

مظاہر عالم کی تسخیر اور اسکی محکم تدبیر خدا کی ہستی پر دلیل ہے

سورج چاند ستارے اپنے حسن و عظمت کے باوجود۔ اور زمین۔ دریا۔ پہاڑ۔ ہوا۔ ابر۔ برق و رعد اپنی وسعت۔ قوت اور جلالت کے علی الرغم ایک محکم نظام حکمت کے ماتحت مقہور و مسخر ہیں۔ تو لازماً ان کے سوا کوئی اور ہے جو ان سب کا خالق اور ان سب پر فرماں روا ہے۔ اب غور کرو کہ وہ کون ہے جو ان سب کا خالق اور سب پر آمر و متصرف ہے۔ اس سوال کو قرآن نے [illegible] مشرک عربوں کی زبان سے بھی نقل کیا ہے کہ اس عالم کا خالق ایک عزیز حکیم ہے۔ لئن سألتهم من خلق السموٰت والارض لیقولن خلقهن العزیز العلیم۔ (زخرف)
(اگر تم ان سے پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ جواب دینگے ان کو عزیز و علیم نے بنایا ہے۔) کیونکہ جو شخص اس کائنات کے مظاہر پر غور کرے گا وہ اس نتیجہ پر پہونچیگا کہ ان میں سے کسی کی طرف اس کائنات کی تخلیق کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔ اس کائنات کی خالق کوئی ایسی ہی ذات ہو سکتی ہے جو عزت و کبریائی اور علم و حکمت کی تمام صفات کے ساتھ متصف ہو۔

یہاں اس امر کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ان مظاہر میں سے جو جتنے ہی زیادہ شاندار ہیں ان کی پیشانی پر تذلل کا داغ اسی قدر زیادہ ابھرا ہوا نظر آتا ہے۔ دنیا نے سورج۔ چاند کی سب سے زیادہ پرستش کی ہے حالانکہ ذلت و اطاعت۔ سجود و ہبوط اور کسوف و خسوف کے جو آثار ہم ان میں دیکھتے ہیں۔ دوسری کسی چیز میں بھی نہیں دیکھتے۔
پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کی

ہر قوت شتر بے مہار کی طرح اپنے رخ پر بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ نہ وہ کسی نظام قاہر کی پابند معلوم ہوتی۔ نہ کسی برتر قوت کی محکوم و مطیع لیکن پھر دفعتہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مخفی ہاتھ اس کی باگ موڑ کر ایک سمت سے دوسری سمت پر لگا دیتا ہے۔ کتنی بار ہم سن چکے ہیں کہ بعض بڑے بڑے اجرام سماویہ کسی خاص رخ پر بڑھ چلے اور اگر اسی رخ پر بڑھتے چلے جاتے تو لازم تھا کہ ہمارے کرۂ زمین سے ٹکرا جاتے اور کرۂ زمین پاش پاش ہو کے رہ جاتا چنانچہ اسی طرح کے مشاہدات کی بنا پر کبھی کبھی بعض ماہرین فلکیات نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ اتنی مدت کے اندر یہ زمین فلاں جرم سماوی سے ٹکرا جائے گی لیکن جب وہ متعین وقت آیا دفعتہ اس جرم نے اپنا رخ اس طرح بدل دیا گویا کسی سوار نے مرکب کی باگ موڑ دی اور وہ عظیم خطرہ جو ہماری اس دنیا کے بالکل سر پر آ گیا تھا۔ یکایک دفع ہو گیا ؎

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے پر یہ تماشہ نہ ہوا

غور کرو وہ راکب کون ہے۔ کون ہے جو عناصر اور اجرام و اجسام کی باگیں تھامے ہوئے ہے۔ جس حد تک چاہتا ہے ان کو ڈھیلا کرتا ہے اور پھر جہاں چاہتا ہے روک لیتا ہے اور اسکے بعد وہ ایک انچ بھی بڑھنے کی جرأت نہیں کر سکتے کیا محض یہ اتفاق سے مقدم ہے۔ کیا یہ اندھی بہری قوتوں کی اپنی صواب دید سے سب کچھ ہو رہا ہے۔ کیا عقل بشری اور قلب انسانی کو ان جوابات سے تشفی و طمانیت مل سکتی ہے۔ قرآن اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا۔ ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ انہ کان حلیما غفورا۔ (فاطر)

واللہ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹل جائیں تو کوئی اسکے بعد ان کا تھامنے والا نہیں ہے۔ بیشک وہ نہایت حلیم اور بخشنے والا ہے۔)

کون ہے جو اس جواب کی سچائی کا انکار کرسکتا ہے۔ یہ وہ تدبیر ونظام ہے جو اس مادی دنیا کے قوئی وعناصر کے درمیان ہم دیکھتے ہیں (ماخوذ از رسالہ ترجمان القرآن نومبر دسمبر ۱۹۳۴ء

ایجادات عالم خدا کی ہستی پر دلیل ناطق ہیں

انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ میں ایک مقالہ کسی اہل علم نے پڑھا تھا۔ اس کا اقتباس معہ کچھ ایجادات کے ہم اس جگہ نقل کرتے ہیں۔ اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوگا۔ کہ فکر وغور کے بعد وجود صانع کی معرفت بہت کچھ آسان نظر آنے لگتی ہے شیخ سعدیؒ نے سچ فرمایا ہے ؎

برگ سبز درختاں درنظر ہوشیار
ہر ورقش دفتر یست از معرفتِ کردگار

ناظرین کرام! جب دنیا کی چھوٹی چھوٹی (میز کرسی۔ قلم۔ دوات۔ کاغذ بجلی۔ تار۔ ریل وغیرہ) چیزیں آپ سے آپ نہیں بن گئیں۔ کسی کاریگر کے بنانے سے بنی ہیں تو پھر یہ آدمی اور حیوان۔ زمین اور آسمان۔ کس طرح نبے درخت کیونکر اُگے۔ پہاڑ کہاں سے آئے۔ سورج چاند ستارے روشن ہوئے توکس طرح۔ کیا یہ سب آپ سے آپ بن گئے؟ کیا کسی آدمی نے انہیں بنایا۔ کیا یہ کسی درخت، پہاڑ، دریا کی کاریگری ہے۔ یا سورج۔ چاند تارے جمادات نبادات آپ سے آپ بن گئے؟ ان کا بنانے والا اب کوئی ایسی ذات

جس کی طاقت، جس کی صنعت، جس کی حکمت، جس کی سمجھ سب سے بڑھ کر ہے وہی خدا ہے، اسی کا نام اللہ ہے۔ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل عرض ہے جو قابل حفظ ہے۔

کائنات میں اول چیز **ھوا** ہے جو دم بھر کے لئے نہ ملے تو انسان کا وہی حال ہو جو بن پانی کے مچھلی کا۔ انسان دم گھٹ کر مر جائے۔

دوم **پانی** ہے۔ اگرچہ اس کے پئے بغیر تھوڑے عرصہ تک آدمی زندہ رہ سکتا ہے لیکن اگر پانی بالکل ہی نہ ملے تو انسان پیاس کے مارے تڑپ تڑپ کر جان دیدے۔ پانی ہمارے پینے نہانے۔ لباس اور برتن دھونے ہی کے کام نہیں آتا۔ بلکہ اسکے بغیر نہ غلہ پیدا ہو نہ جانور زندہ رہ سکیں۔ نہ ہوا ہی سانس لینے کے قابل رہے۔ دیکھتے نہیں گرمیوں میں جب بارش نہیں ہوتی۔ ہوا میں پانی کی ملاوٹ کم ہو جاتی ہے اور لو چلنے لگتی ہے تو کیسی مشکل بنتی ہے۔

سوم **روشنی** (چاند۔ سورج وغیرہ) ہے۔ یہ نہ ہو تو گھپ اندھیرے میں کسی شئے کو نہ دیکھ سکیں۔ ٹکرا ٹکرا کر مر جائیں۔

چہارم **زمین** ہے۔ یہ نہ ہو تو ہم کہاں رہیں۔ گھر بنائیں تو کیونکر ٹھہریں۔ تو کس پر کھانے کی چیزیں لائیں تو کہاں سے کھانا پکائیں۔ تو کس جگہ۔

پنجم سب سے بڑی چیز خود ہماری **جان** ہے۔ اگر یہی نہ ہو تو ہم کون اور ہماری حقیقت کیا۔ مٹی کے ڈھیلے اور ہم میں کچھ فرق نہ ہوگا

اب دیکھنے اور سمجھنے کے قابل یہ بات ہے کہ یہ چیزیں ہمیں کس نے عنایت کی ہیں آؤ اسی پر غور کریں اور سوچیں، ماں باپ تمہیں روٹی کھلاتے ہیں

کپڑا پہنانے ہیں تو اپنے مقدور کے موافق استاد علم بڑھاتا ہے تو اپنے علم کے بموجب۔ حاکم کسی مجرم کو سزا دیتا ہے تو اپنے اختیار کے اندر۔ اسی طرح جو چیزیں ہمیں ہر وقت برتنے کے لئے ملی ہوئی ہیں ان کے عطا کرنے والے کو پہچاننے کے واسطے ضروری ہے کہ دیکھیں کس میں اتنا مقدور ہے کہ وہ ایسی بڑی بڑی چیزوں کی تخلیق کر سکے۔ جس میں اتنی طاقت معلوم ہوگی۔ ہم اسے ہی ان چیزوں کا عطا کرنیوالے قرار دے سکیں گے۔

پس اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہوا۔ پانی۔ زمین۔ روشنی اور لاکھوں چیزیں دینے کی طاقت کس میں ہے۔ اس امر کے معلوم کرنے کے لئے ہم دنیا کی بڑی بڑی چیزوں میں سے ایک ایک کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں کتنی قدرت ہے۔ اور ان میں کوئی بھی ایسی ہے۔ جسے ان سب چیزوں کا بنانیوالا فاطر و مبدع قرار دے سکیں۔

ہوا کی طاقت

سب سے پہلے ہوا کو لیں اور دیکھیں اس میں کتنی قوت ہے۔ شاید آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ بڑی طاقت والی شئے ہے۔ کیونکہ جب آندھی آتی ہے تو بڑے بڑے درختوں کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینکتی ہے۔ کبھی کبھی عالیشان مضبوط مکانوں کا بھی ستیاناس کر دیتی ہے۔ لیکن ہم اس کی طاقت کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ ہمارا مدعا یہ ہے کہ دیکھیں وہ خود بخود کیا کر سکتی ہے۔ اس امر کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایک برتن لو۔ اس میں ہوا تو بھری ہوتی ہے اس کے منہ کو اس طرح بند کر دو کہ وہ کسی طرح نکلنے نہ پائے اب اس برتن کو کسی جگہ الگ رکھ دو اور دیکھو کہ اس برتن کی ہوا کیا کر سکتی ہے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں برس برتن پڑا رہے۔ تو نہ تو اپنے آپ ہوا اس میں سے نکل ....

سکے گی نہ برتن کو کہیں لے جا سکے گی۔ اور نہ اور کسی قسم کی کوئی بات اس سے ہو سکے گی جس سے ظاہر ہے کہ وہ ایسی محتاج اور بے بس ہے کہ جب تک اسے کوئی برتن میں سے نہ نکالے۔ اپنے آپ نہیں نکل سکتی۔ پھر ایسی چیزیں بھلا یہ قدرت کہاں۔ کہ اوروں کو کوئی چیز بنا کردے۔

پانی کی طاقت

پانی کو لو تو اس کا بھی یہی حال ہے۔ برتن میں ڈال کر اسے ابھی رکھ دیکھو۔ ہوا کی طرح یہ بھی کچھ نہ کر سکیگا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کا محتاج ہے۔ اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتا اور اسی واسطے اسے بھی کسی چیز کا بنانے والا نہیں مان سکتے۔

درختوں و جانوروں کی طاقت

ہوا اور پانی کے سوا اور لاکھوں چیزیں ہیں۔ آئیے ان میں سے دو چار کی طاقت کا اندازہ کریں۔ پہلے ہی نظر میں اونچے اونچے درخت نظر آتے ہیں۔ جن کی صورت و شکل دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ یا جنگل پہاڑ۔ دریا اور سمندر میں نئی نئی صورت نئی نئی شکل کے جانور دکھائی دیتے جن کو دیکھ کر عقل چکراتی ہے۔ مگر کیا اُن میں سے کسی درخت مثلاً بڑ۔ پیپل نے ہمیں یہ آرام کی چیزیں عطا کیں یا کسی حیوان مثلاً شیر۔ مگرمچھ بیل گائے نے؟ اس کا جواب دینے سے پہلے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ خود ان کا کیا حال ہے وہ تو ہوا۔ پانی اور روشنی وغیرہ کے ایسے محتاج ہیں کہ ان کے بغیر دم بھر نہیں رہ سکتے۔ پھر کیونکر مان لیں کہ ان میں سے

کسی نے یہ چیزیں ہمیں بنا کر دی ہیں۔ درختوں اور جانوروں کی نسبت ایسا خیال کرنا کہ ان میں سے کسی نے ہمیں یہ چیزیں عطا کی ہیں۔ بہت ہی بیہودہ اور نکمی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ خود ہم سے کبھی قوت و طاقت میں بہت کم ہیں۔ دیکھو ہم سب آدمی مل کر چاہیں تو سارے درختوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکیں۔ سارے جانوروں کو ایک ایک کرکے مار ڈالیں۔ درختوں کو ہوا۔ پانی اور روشنی وغیرہ پہنچنے پر بھی ہم انہیں چاہیں تو بڑھنے نہ دیں بلکہ سرسبز و شاداب ہی ہونے نہ دیں۔ جانوروں کا ایسا قافیہ تنگ کریں کہ وہ کھانے پینے کی سب چیزیں سامنے موجود پائیں مگر ہم انہیں ایک بھی نہ لینے دیں وہ ہزاروں جتن اور جان توڑ محنت و کوشش کریں مگر کچھ نہ کر سکیں۔ بےبس ہو کر بھوکے پیاسے مر جائیں پھر ایسی چیزوں کا کیا منہ کہ ہم ان کو نعمتوں کا دینے والا قرار دیں۔

پہاڑ کی طاقت

زمین کی سطح پر پہاڑوں سے بڑی کوئی چیز نظر نہیں آتی مگر کیا ان میں بھی یہ طاقت ہے کہ انہوں نے ہمیں یہ چیزیں بنا کر دی ہوں۔ وہ تو درختوں اور جانوروں سے بھی زیادہ بےبس ہیں۔ جانور جہاں چاہے جا سکتا ہے ہزاروں کام کی چیزیں بنا سکتا ہے جو چیز چاہے اسکے لینے کے لئے کوشش کرتا اور اکثر محنت کرکے حاصل کر لیتا ہے۔ درخت گو کہیں جا تو نہیں سکتے مگر پھر بھی اپنی جگہ کھڑے کھڑے بڑھتے ہیں۔ زمین میں سے اپنی خوراک کھینچتے ہیں اور سرسبز و شاداب رہتے ہیں ان میں میوے لگتے ہیں پھول آتے ہیں بیج پیدا ہوتے ہیں جن سے ان

کی پود پھیلتی اور نسل بڑھتی ہے لیکن پہاڑ جہاں کھڑے ہیں نہ ہل جل سکیں نہ کہیں جا سکیں۔ پہلے دن سے جتنے اونچے بنے ہیں نہ اس سے نیچے بڑھ سکیں نہ نیچے ہو سکیں نہ ان کی پود پھیلے نہ نسل چلے وہ تو پتھر ہیں نہ کسی کو پکڑ کر اپنے پاس لا سکیں نہ کسی کو اپنے اوپر سے ہٹا سکیں۔ پھر ایسی بے بس چیز میں یہ طاقت کہاں کہ ہمارے جیسے با اختیار جاندار کی ضرورتیں پوری کرے اور ہمیں وہ چیزیں بنا کر دے جو اس سے بھی زیادہ طاقت و قدرت کی ہیں۔

چاند و ستاروں کی طاقت

ہوا و پانی کے ساتھ ایک بڑی ضروری چیز روشنی بھی ہے اور اسکی طاقت و قدرت بھی دیکھ لیں۔ لمپ چراغ اور آگ کی روشنی بھی کوئی شئے ہے جسے ہم خود ایک ترکیب سے بناتے اور جب تک چاہتے ہیں۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں پھر جب چاہتے ہیں۔ بجھا کر اس کا وجود ہی نابود کر دیتے ہیں ہاں البتہ کوئی شئے ہے تو چاند اور سورج کی روشنی۔ اگرچہ ہم اسے بند مکان بنا کر پہونچنے نہیں دیتے مگر پھر بھی ہمارا اس پر کچھ قابو نہیں نہ تو دن میں سورج کی روشنی کو ہٹا سکیں نہ رات کو چاند کی روشنی کا کچھ بگاڑ سکیں لیکن دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ اس میں اتنی قدرت ہے یا نہیں کہ اس نے ہمارے لئے کوئی چیز بنائی ہو رات کے وقت ستاروں کی چمک اور چاند کی روشنی کیا بہار دیتی ہے لیکن چاند اور اکثر ستاروں کی روشنی اپنی نہیں مانگنے کی چیز ہے یہ منور بالذات نہیں — بلکہ منور بالغیر ہیں۔ کیونکہ ان میں جو روشنی ہے وہ سورج کی دی ہوئی ہے اس سے تمہیں ستاروں اور چاند کی روشنی کی حقیقت کھل گئی کہ وہ کوئی الگ شئے نہیں اور اس واسطے نہ ان کی روشنی اور نہ وہ خود اس

قابل ہیں کہ وہ ہمارے لئے کوئی چیز بنائیں۔

سورج کی طاقت

سورج کی روشنی کی طاقت کے اندازہ کرنے کو تو جانے دو خود سورج ہی کو لو۔ اگر اس میں یہ طاقت نہ پائی جاوے کہ وہ ہمارے واسطے کوئی چیز بنا سکے تو پھر اس سے نکلی ہوئی روشنی کا کیا مقدور کہ ایسا کر سکے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سورج سال بھر میں ایک معین انداز سے ادھر ادھر سرکتا ہے جتنے وقت ایک سال میں ہر روز ہمیں نظر آتا ہے اتنے ہی وقت دوسرے سال میں نظر آتا ہے جتنی دیر تک سال میں ہر رات کو ہماری نظر سے غائب رہتا ہے اتنی ہی دیر دوسرے سال میں بھی غائب رہتا ہے جتنی دور ہم سے آج ہے اتنی دور ہمیشہ رہتا ہے نہ کبھی معین انداز میں دور ہوا۔ نہ نزدیک آیا۔ ایک چکر میں پڑا ہوا ہے رات ہو یا دن ایک ہی رفتار سے چل رہا ہے۔ ہمیشہ مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوبتا ہے۔

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ڈوبتے ڈوبتے اوپر چڑھنے لگا ہو۔ اور جدھر سے گیا تھا ادھر سے واپس آیا ہو۔ یا کبھی شمال کو چل نکلا ہو یا جنوب کی طرف رخ کیا ہو۔ ہم جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں کبھی بیٹھتے ہیں۔ کبھی چلتے ہیں۔ ابھی مشرق کو جا رہے تھے کہ جی گھبرایا مغرب کو چل کھڑے ہوئے۔ یا شمال کی راہ لی۔ ادھر سے طبیعت اکتائی تو جنوب کی سیر کو روانہ ہو گئے۔ غرض نہ ہم ایک جگہ کے پابند ہیں، نہ

ایک خاص طرف جانے کے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے ارادہ سے جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

مگر سورج کی مجال نہیں کہ وہ جس چال سے چل رہا ہے اسے بدل دیں۔ جدھر کو جا سکے ادھر سے منہ موڑ کر اور طرف جا سکے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے اختیار میں نہیں جس طرح ہم ایک کل کو چلا دیتے ہیں اور جب تک نہ روکیں وہ ایک ہی طرح کام کئے جاتی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ایک کل ہے جو کسی اعلیٰ طاقت نے چلا رکھی ہے اور جب یہ بات ہے تو اس خوب صورت منور سورج کا جو ہم سے بھی زیادہ مجبور ہے۔ یہ حق نہیں کہ ہم اسے ان چیزوں کا بنانے والا مان لیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔

موجودات عالم کا موجد صرف خدا تعالیٰ ہے

اوپر کے بیان سے یہ ظاہر ہو گیا کہ دنیا کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ان عجیب و نفیس موجودات عالم کا ایجاد کر سکتی ہو۔ اس سے تمہارے دل میں شاید یہ خیال پیدا ہو کہ کوئی آدمی ہی ایسا ہو گا جس نے ہماری ضرورت کی ان چیزوں کو پیدا کیا ہے لیکن یاد رکھو کہ یہ بات کبھی درست نہیں کیونکہ جس طرح ایک آدمی دنیا کی چیزوں کا محتاج ہے اسی طرح کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو احتیاج سے خالی نہیں جس طرح انسان کو ہوا پانی۔ روشنی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہے اور ان کے سوا گزارا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بادشاہ ہو یا گدا۔ امیر ہو یا فقیر دنیا دار ہو، یا

تارک الدنیا (ولی) چھوٹا ہو یا بڑا، پیر ہو یا پیغمبر سب کے سب ان چیزوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ کسی کو اپنی جان پر اختیار نہیں۔ کوئی اپنی عمر بڑھا نہیں سکتا۔ کوئی اپنے آپ کو مرنے سے بچا نہیں سکتا۔ پس اس صورت میں کوئی آدمی بھی اس قابل نہیں کہ ہم اسے اپنی ضرورت کی چیزوں کا بنا دینے والا سمجھ سکیں۔ پس ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کی چیزیں نہ تو اپنے آپ بن گئی ہیں نہ دنیا کی مخلوق میں سے کسی نے بنائی ہیں۔ بلکہ کسی بالاتر اور با قدرت و پر حکمت ذات کی صناعی و خلاقی کا یہ سارا عالم جلوہ نما ہے۔ اور اسی نے یہ نہایت ہی مفید چیزیں تخلیق کی ہیں ہم ایسی ہی مبدع و فاطر ذات کا نام خدا تعالیٰ رکھتے ہیں۔ پس مظاہر عالم خدا کی ہستی پر زبردست دلیل ہیں۔

انتباہ

ہم سرسری نظر میں رات۔ دن۔ سورج۔ چاند۔ ہوا۔ پانی۔ پہاڑ۔ درخت کو دیکھتے ہیں اور ان کو آیۃ اللہ یعنی خدا کی ہستی پر دلیل ناطق سمجھنے پر توجہ نہیں دے پاتے ورنہ جیسا کہ بدلالت واضحہ ثابت کر دیا گیا ہے۔ یہ سب اشیاء ایک قادر کی ہستی کا صاف پتہ دیتی ہیں۔ عرفی نے کیا خوب لکھا ہے ؎

ہر کس نہ شناسندہ راز است وگرنہ
اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

موجودات عالم کا نظم و ترتیب ہستی خدا پر شاہد عادل ہے

آج تحقیقات و تدقیقات نے بتایا ہے کہ ارسطو و افلاطون وغیرہ اس مسئلہ کو

حل نہ کر سکے۔ البتہ جو قرآن مجید کا طریقہ استدلال ہے وہ ایک اچھوتا اور صاف وسادہ استدلال ہے جس کو بڑے بڑے فلاسفر و حکماء نے انتہائی غور و فکر کے بعد۔ خدا کے ثبوت میں پیش کیا مثلاً دنیا میں جب ہم کسی چیز کو مرتب باقاعدہ دیکھتے ہیں تو ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانشمند نے اسے ترتیب دی ہے اگر ہم کسی جگہ چند چیزیں بے ترتیب دیکھیں تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزیں جمع ہو گئیں ہوں گی۔ لیکن جب وہ اس خاص ترتیب و سلیقہ سے چنی گئی ہوں کہ ایک ہوشیار صناع بھی بہ مشکل اس طرح چن سکتا ہے تو یہ خیال کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی۔ پس ناممکن ہے کہ نظام عالم جو اس قدر باقاعدہ مرتب اور موزوں ہے وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو۔ قرآن مجید میں خدا کے وجود پر اسی سے استدلال ہے۔ صنع اللہ الذی اتقن کل شئ اور وما تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر ھل تریٰ من فطور۔ ترجمہ۔ یہ خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر شئے کو خوب پختہ طور سے بنایا۔ خدا کی کاریگری میں تم کو کہیں فرق نظر نہیں آئیگا پھر دوبارہ دیکھو۔ کہیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے (یعنی بالکل کامل اور بے نقص ہے) خلق کل شئ فقدرہ تقدیرا۔ خدا نے ہر شئے کو پیدا کیا پھر اس کا اندازہ معین کیا۔ یعنی موزوں اور صحیح اندازہ سے مرتب کیا ہے۔ لا تبدیل لخلق اللہ یعنی خدا نے ایسے اصول و ضوابط کے ماتحت عالم کو رکھا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتے۔

اب جو چیز اس طرح کامل مرتب مستمر النظام ہو گی۔ وہ خود بخود پیدا نہیں ہو گئی ہو گی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے پیدا کیا ہو گا۔ اور وہی خدا ہے۔

خدا کی ہستی کا انکار اسلئے نہیں ہو سکتا کہ وہ دکھائی نہیں دیتا

یہ سوال بالعموم ابنائے فطرت درفقاء دہر کی طرف سے پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا وجود اس لئے قابل قبول نہیں کہ اسکو کسی نے دیکھا نہیں جواب یہ ہے کہ انسان مختلف چیزوں کو مختلف حواس سے جانتا ہے کسی کو دیکھکر جیسے رنگ وغیرہ کسی کو چھو کر کسی کو سونگھ کر جیسے خوشبو وغیرہ۔ کسی کو چکھ کر ذائقہ والی چیز کسی کو سنکر آواز وغیرہ۔

اگر کوئی شخص کہے آواز دکھا دو، خوشبو چکھا دو، ذائقہ سنگھا دو تب ہم ان چیزوں کا وجود مانیں گے تو یہ اس کا جہل ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے نہیں کہ جو چیز ہمارے حسیات سے معلوم ہوسکے اسکو تو مان لیں اور جو ان سے نہ معلوم ہوا ان کا انکار کریں۔ اگر ایسا ہے تو گلاب کی خوشبو اور لیموں کی ترشی، شہد کی شیرینی، لوہے کی سختی آواز کی خوبی سے انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں نظر نہیں آتیں بلکہ حواس مخصوصہ سے معلوم ہوتی ہیں۔

علاوہ اسکے گالی گلوچ کا اثر ہم محسوس تو کرتے ہیں لیکن ہم دیکھتے نہیں۔ اور یہ ان محسوسات کے علاوہ ہے۔ ان مثالوں کا یہ منشا ہے کہ تمام چیزیں صرف دیکھنے سے ہی معلوم یا حاصل نہیں ہوتیں بلکہ پانچ مختلف حیاست سے ان کا علم ہوتا ہے۔

عقل حافظہ روح نہ مدرک بالبصر ہے نہ مدرک بالحواس

عقل و روح وغیرہ ایسی ہی چیزیں ہیں جن کا علم ان حسیات کے علاوہ اور ذرائع سے ہوتا ہے مثلاً عقل۔ حافظہ۔ روح۔ ذہن۔ ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود مسلم ہے لیکن کوئی عاقل بتا سکتا ہے کہ ان میں سے کسی شے کو کسی نے دکھایا یا سنا یا چکھا یا ان حواس خمسہ میں سے کسی کے ذریعہ سے دریافت کیا ہے نہیں ہرگز نہیں بلکہ ان چیزوں کا پتہ اثرات سے چلتا ہے مثلاً جب ہم نے کسی کو بڑا بھاری بوجھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو سمجھا کہ اس میں کچھ ایسا مادہ ہے جس کی وجہ سے یہ بوجھ اٹھا سکتا ہے ہم نے کی قوت و طاقت کو دیکھا نہیں سونگھا نہیں چکھا نہیں۔ چھوا نہیں پھر اس کے طاقت کا علم ہو گیا علیٰ ہذا القیاس جس قدر لطیف اشیاء ہیں۔ ان کا وجود انسان کی نظر سے غائب ہے لیکن بلحاظ اپنے اثر کے معلوم ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات جو حد درجہ کی لطیف ہے بطور محسوسات کے دریافت نہ ہوسکنے سے اس کے وجود سے انکار کیوں کر درست ہو گا۔

الیکٹرسٹی کے ذریعہ سے جو خبریں پہونچتی ہیں ان کو کسی نے دیکھا سورج کی روشنی دنیا تک پہونچنے کا ذریعہ کسی نے دیکھا۔ جب نہیں دیکھا تو ان کے وجود سے بسوا مجنون کے انکار کرنے والا کون ہے

ان شواہد کے ہوتے ہوئے یہ کہنا صریح ظلم ہے کہ باری تعالیٰ کا وجود دیکھے جانے کے قابل قبول ہے۔ قرآن میں اشارہ ہے لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی آنکھوں سے اللہ کو بوجہ لطیف ہونے کے نہیں دیکھ سکتا۔ جس طرح سے عقل و حافظہ و روح

قوت وغیرہ۔ انسان کی قوت بصارت سے باہر ہے۔

ایک ہندو فلسفی کی شہادت:۔ یہ بات تو ہنود میں بھی مسلم ہے کہ انسان خدا کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا چنانچہ نوسمرنی گیارہویں ادھیائے اُبھویں منتر میں یہ لکھا ہے کہ ارجن نے شری کرشن جی سے جب خدا کی جلالی وجمالی صورت دیکھنے کی خواہش کی تو جواب ملا کہ تو مجھے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا پس ان کا وہم ھباءً منثورًا ہو گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ زمین وآسمان کے قادر کا وجود گو اسکو کسی نے نہیں دیکھا۔

اشیاء کا خود بخود نہ ہوسکنا وجود باری پر دلیل ہے

اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ بازار میں ایک دکان ایسی ہے جس کا کوئی دوکاندار نہیں ہے نہ کوئی اس میں مال لانے والا ہے نہ بیچنے والا ہے نہ کوئی اس کی

رکھوالی کرتا ہے۔ دوکان خود بخود چل رہی ہے۔ خود بخود اس میں مال آجاتا ہے اور خود خریداروں کے ہاتھ فروخت ہوجاتا ہے تو کیا آپ ایسے شخص کی بات مان لیں گے۔ فرض کیجئے۔ ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ اس بستی میں ایک کارخانہ ہے جس کا نہ کوئی مالک ہے نہ کوئی انجینیئر نہ مستری۔ کارخانہ خود بخود قائم ہوگیا ہے۔ ساری مشینیں خود بخود بن گئیں۔ خود ہی سارے پرزے اپنی اپنی جگہ لگ گئے۔ خود ہی سب مشینیں چل رہی ہیں۔ سچ بتائیے جو شخص آپ سے یہ بات کہیگا کیا آپ حیرت سے اس کا منہ نہ تکنے لگیں گے کہ اس کا دماغ کہیں خراب تو نہیں ہوگیا ہے۔

اب غور کیجئے ایک معمولی دوکان کے متعلق جب آپ کی یہ عقل یہ نہیں مان سکتی کہ وہ کسی دوکاندار کے بغیر قائم ہوگی اور کسی چلانے والے کے بغیر چل رہی ہے۔ جب ایک ذرا سے کارخانے کے متعلق آپ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوسکتے کہ وہ کسی بنانے والے کے بغیر بن جائیگا اور کسی چلانے والے کے بغیر چلتا رہے گا تو یہ زمین وآسمان کا زبردست کارخانہ جو آپ کے سامنے چل رہا ہے جس میں چاند اور سورج اور بڑے بڑے ستارے گھڑی کے پرزے کی طرح حرکت کر رہے ہیں کیا بغیر کسی بنانے والے کے خود بن گیا اور کسی چلانے والے کے بغیر خود چل رہا ہے۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد

ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

پس سورج، چاند، ستارے بھی خود بخود نہیں بن سکتے بلکہ کسی زبردست اور پر حکمت ذات کے ایجادات وتخلیق اور اسکے تدبیر وانتظام سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ایسی بالادست وپرقوت ذات کا نام ہم خدا تعالیٰ رکھتے ہیں۔

(ماخوذ از لیکچر مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی)

پس باری تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت خود ان کی مصنوعات و مخلوقات ہیں۔ مولانا حالی لکھتے ہیں ؎

مسلم نے حرم میں راگ گایا تیرا — ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے — انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ہستی خدا پر استدلال

خدا کی ہستی پر بمبئی میں ایک فاضل مقرر کی تقریر تھی۔ چار بجے دن کا وقت تھا۔ جب یہ پہونچے تو لوگوں نے کہا۔ آپ دیر کر کے آئے۔ انہوں نے اپنی گھڑی نکالی تو چند منٹ باقی تھے۔ کسی کی گھڑی میں ۱۰ منٹ زیادہ کسی میں کم۔ یہ کہکر فاضل مقرر نے نتیجہ نکالا کہ جب یہ چھوٹی سی گھڑی جس کی اس قدر حفاظت بھی کی جاتی ہے۔ وقت پر ٹھیک نہیں چل سکتی تو اتنے بڑے سورج چاند وغیرہ بغیر محافظ کے کیونکر چل سکتے ہیں جن کی بابت کبھی لیٹ ہونے یا خراب ہونیکا جھگڑا ابھی نہیں سنا ہے گیا ہے۔

کانٹا ہے ہر اک دل میں اٹکا تیرا — آویزہ ہے ہر گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھکو جانا ہے ضرور — بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

مظاہر فطرت کا انضباط و انقیاد خدا کی ہستی پر دلیل ہے

ایک معمولی گھڑی بغیر کسی ماہر فن گھڑی ساز کے تیار نہیں ہو سکتی تو مظاہر فطرت

سورج چاند ستاروں کا وجود اور ان کا نظم و انضباط اور مختلف ممالک اور موسموں میں اُنکے مقررہ میعاد کی پابندی ۔ خالق حقیقی کے بغیر ناممکن ہے ۔

چاند سورج کے دعویٰ الجباد سے صدیوں کی خاموشی ہستی باری کی دلیل

آج زمین کے کروی اور مسطح ہونے پر جھگڑا ہے اسیطرح سورج اور دوسرے سیاروں کی حرکت وسکون کا جھگڑا ہے کہ زمین حرکت کر رہی ہے اور یہ سب ساکن ہیں یا یہ کہ زمین ساکن ہے اور یہ سب افلاک سورج ۔ چاند ستارے زمین کے گرد گھومتے ہیں ۔ یہ تھا خیال بطلیموس کا بعد میں بطلیموسی نظام غلط ٹھہرایا گیا ہے ۔ فیثا غورث کا نظریہ مرکزیت شمس کا یورپ نے تسلیم کیا یعنی زمین اور دوسرے اجرام فلکی سورج کے گرد گھومتے ہیں ۔ چنانچہ سنہ ۱۶۲۲ء سے باضابطہ اس نظریہ کے قائل ہوگئے ۔

مختصر یہ کہ زمین کے کرہ یا مسطح ہونے اور اجرام فلکی سورج چاند اور زمین کے حرکت وسکون کے مابین طول طویل جھگڑے اور طرح طرح کے نظریات پیدا ہوا کئے لیکن یہ آج تک کوئی نہ کہہ سکا نہ کسی کے قلم نے یہ لکھا کہ زمین چاند سورج وسیاروں کا موجد یا صانع فلاں حکیم یا ڈاکٹر گزرا ہے بلکہ تمام لوگ ان مجبر العقول دُپرشکوہ اجرام فلکی اور زمین کو صرف قدرت کا ایک شاہکار سمجھتے ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ سیارے یہ شمس وقمر جب کسی انسان کے تخلیق وایجاد کی طرف منسوب نہیں ۔ اور خود بخود ہو بھی نہیں سکتے ۔ پس لامحالہ کوئی ہستی انسانی طاقت سے برتر و بالا دست ثابت

ہوئی کہ اس نے اس کی تخلیق و تکوین فرمائی۔

زمین ہستی باری تعالیٰ پر دلیل ناطق ہے

سائنس آج اس ترقی پر پہنچی ہے لیکن زمین کا ایک چپہ یا ایک جم ساقبق صوبہ یو، پی یا سی پی کے برابر بلکہ اس کے ایک ضلع کے برابر بھی زمین کا ایک چپہ نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ یہ خدا کی شان ہے جیسا کہ فرمایا اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علی کل شیئ قدیر۔ (طلاق) ومن اٰیٰتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذالک لآیات للعٰلمین (روم) وھو الذی مدا الارض وجعل فیھا رواسی وانھار (سورہ رعد)

آج جھگڑا اتحادی ومحوری قوموں کا محض ہوس ملک گیری؛ جوع الارضی کے ماتحت ہے۔ سورج چاند اور سیاروں کے منافع کے لئے جھگڑا نہیں ہے بلکہ نفس زمین کے تحصیل کے لئے۔ جرمنی یا جاپان اربوں روپیہ فی سیکنڈ اور ہزاروں جانیں یومیہ برباد کرنے کی جگہ کیوں نہیں زمین کا ایک طبق اور طبق در طبق اپنے ممالک کے اوپر بنا کر اس کو گل و گلزار بنا ڈالیں۔ اس پر آبادیاں قائم کرائیں اپنی قوم کو بسائیں۔ کشت کاری زراعت سے ہرا بھرا کر دیں یا بڑے بڑے ارباب کمال موجدین سائنس برطانیہ میں بھی آباد ہیں۔ اتحادی سلطنتیں ان ہنرمندوں سے زمین کا کوئی طبق بنوا کر ان کے آگے ایک زمینی لقمہ ڈال کر ان کی جوع الارضی و جنگ کا

کا خاتمہ کیوں نہیں کر ڈالتیں۔ کیوں اربوں کروڑوں جان و مال کا یومیہ نقصان برداشت کر رہی ہیں۔ لیکن کوئی نہیں جو اس جوہریت ارضی کے جواب میں ایسی ہی زمین بنا سکے جو نہ لوہا کی طرح سخت ہو کہ نباتات کی روئیدگی ناممکن ہو جائے اور بالکل نرم ہو کہ اس میں عمارت مکانات کا قیام ناممکن ہو جاوے بلکہ بین بین۔ ایک خاص جوہریت اور خاص طرح کی قابلیت نشو و نما کی رکھتی ہو۔ چونکہ آج تک باوجود سخت احتیاج و انتقاد کے ارباب سائنس اس کی ایجاد نہ کر سکے۔ اور نہ الیٰ یوم القیامت بنا سکیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمین خدا کی ہستی اور اس کی قدرت پر اعلیٰ دلیل ہے۔

نباتات الارض ہستی خدا پر دلیل ناطق ہے

آج بھی جنگ میں غلوں کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اسلئے کہ ان کو کھا کر فوج زندہ و طاقتور رہے۔ قدرتی طریقہ غلوں کے پیدا ہونے کا یہ ہے کہ زمین میں بیج ڈالی جاتی ہے اور سورج۔ چاند و ستارے ہوا و پانی اس کی پرورش کرتے ہیں اور مختلف فصلوں میں مختلف میعاد تک پرورش پاکر تیار ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نشو و نما یہ نباتات الارض اور اسکی پیدائش خدا کی ہستی کی دلیل ہے۔ اس معنی میں یہ شعر ہے ؎

ہر گیا ہے کہ از زمین روید
وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

کوئی نہیں جو قدرتی تخم مثلاً انار کا بیج لئے بغیر زمین سے انار پیدا کرے گلاب کا پودا بغیر سائنس کے زور سے گلاب کے پھول زمین پر کھلا دے گیہوں کا تخم لئے بغیر گیہوں کا کھلیان تیار کر سکے۔ ان سب

کو چھوڑ دو۔

سائنس کے ماہرین کا کوئی کمال دکھاؤ۔ انہوں نے غلئی اور غذائی چیزوں میں۔ کسی ایک تخم کا اضافہ کیا ہو۔ انار۔ سیب۔ سنترے کیلے۔ آم۔ تربوز۔ سردا وغیرہ قدرتی پھلوں کے علاوہ کسی اور پھل کا بیج سائنس و حکمت کے زور سے تیار کیا ہو۔ اور دنیا کی کسی زمین پر بوئی جاتی ہو۔ اور کسی قوم کو بطور غذا ملی ہو بلکہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ قدرتی تخم سے بھی تنہا کوئی کام نہیں چلا سکتے۔ جب تک اس زمین کے جوہری مٹی میں ہی نشو و نما نہ ہو۔ کیا ہے کسی میں طاقت کہ خدا کی زمین چھوڑ کر سورج چاند ستاروں کے منافع چھوڑ کر کچھ بھی غلہ پیدا کر سکے۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا کا مضمون صادق ہے منشاء یہ ہے کہ یہ نباتات سارے کے سارے اور پھل پھول کے کل تخم خدا کی ہستی پر دلیل ناطق ہیں۔

آج دنیا کے سارے بازاروں ساری منڈیوں ساری تجارت گاہوں میں جو کچھ غلے اور دانے موجود ہیں وہ سب نباتات الارض وقدرت کے خزانہ ہیں۔ بالفرض اگر آج دنیا کے گوشہ گوشہ سے ہر قصبہ و بازار سے اور تمام دیہاتوں سے گیہوں و چنا کا تخم نایاب ہو جاوے۔ کل منڈیوں اور بازاروں سے لیکر دریا برباد کر دیئے جائیں۔ مطلب یہ کہ ہر طرح ناپید ہو جاویں اور گیہوں و چنا کا ایک دانہ نہ رہ جاوے تو کیا ارباب سائنس اپنے علم و حکمت کے زور سے گیہوں کے دانے اور کم تند تخم کو پیدا کر سکیں گے۔ حاشا و کلا۔

کوئی فیکٹری کارخانہ نہیں ہے کہ جس میں سائنس دان حضرات ایک

دانہ ڈال کر سلنڈروں میں ہزاروں دانے تیار کر ڈالیں ، اور اس طرح حکومت کی غلہ والی ضرورت کو پورا کر دیں۔

سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فلینظر الانسان الی طعامہ انا صببنا الماء صبا۔ ثم شققنا الارض شقا۔ فانبتنا فیھا حبا وعنبا وقضبا۔ وزیتونا ونخلا وحدائق غلبا۔ وفاکھۃ وابا۔ متاعا لکم ولانعامکم (عبس) افرءیتم ماتحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون۔ (واقعہ)

تخلیق انسان کا فطری طریقہ ہستی خدا پر دلیل ناطق ہے

یہی حال انسانوں کی پیدائش کا ہے کہ بغیر قدرتی طریقہ کے۔ کسی کی عقل وحکمت کے زور سے کسی اور کارخانہ سے پیدا نہیں ہو سکتے۔ زوجین کے تعلق کے بغیر نطفہ شکم مادر میں قیام کے بغیر انسان کا پیدا ہونا آج بھی ناممکن ہے۔ شکم مادر کے چھوٹے سے نگارخانہ میں نطفہ کے مصور ہوئے بغیر انسان کا قالب آج بھی تیار نہیں ہو سکتا۔ قدرتی سامانوں، لوہا ربڑ، پیٹرول، آگ پانی کے اسٹیم کی رو سے ہوائی جہاز کا اڑالینا موٹر کا دوڑا لینا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو عبدیت سے نکال کر الوہیت (خدائیت) کا خواب دکھا سکے۔ کسی سائنس وحکمت میں طاقت اگر ہے تو یہ کرے کہ مادہ بنا کر فیکٹریوں ومشینوں میں ڈال کر کاغذ بطخ کی طرح، انسانوں کو پیدا کرے تاکہ جنگ کی ضرورت میں

کام آدمی۔ اور اپنے علم و ہنر کا سکہ بٹھا سکیں۔ لیکن یہ کہاں۔ یہ تخلیق انسانی صرف خدا کی شان ہے۔ سائنس بچاری کو کیا دخل۔ سچ کہا اکبر الہ آبادی مرحوم نے ؎

مذہب کبھی سائنس کا سجدہ نہ کریگا
انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے

مجبوراً سائنس کی سرپرستی کرنے والی حکومتوں نے اس زوجین کے قدرتی تعلق کو فروغ دینے کے لئے اب یہ کیا ہے کہ بچوں کے پیدا کرنے انسانی جوڑوں کو وہ مختلف انعام بانٹ رہی ہے۔ سات ارب روپیہ حکومت روس نے ۱۹۴۴ء میں بچوں کے پیدا کرنے پر صرف کیا ہے چنانچہ تازہ خبر آئی ہے کہ جب گھر میں تین بچے پیدا ہو جائیں ان کو چار سو روپیہ انعام اور اسّی روپیہ ماہوار وظیفہ۔ چوتھے بچے پر بارہ سو روپے انعام۔ ایکسو بیس روپیہ ماہوار وظیفہ۔ اسی طرح بڑھتا گیا ہے۔ حتیٰ کہ نویں بچہ کے پیدا ہونے پر ساڑھے تین ہزار روپیہ نقد انعام اور ڈھائی سو روپیہ ماہوار وظیفہ اور تمغے اور خطابات اس کے علاوہ تمغہ مادریت اعزاز مادریت اور مدر ہیروئن علی قدر مراتب دیئے جاتے ہیں۔ (صدق ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۴ء)

اور حکومت روس کی طرح برطانیہ۔ امریکہ۔ جاپان۔ ساری حکومتیں انعامات کی تقسیم نسل انسانی کی افزائش کے لئے مرد و زن کے جوڑوں پر کر رہی ہیں۔

دیکھا آپ نے تخلیق انسانی اب بھی کسی کے بس کی بات نہیں بس آج انسانوں کا یہ عجز، ارباب کمال کا یہ عجز۔ خدا کی ہستی اور اسکے کمال قدرت پر دلیل ہے۔ واللہ خلقکم من تراب ثم من نطفۃ ثم جعلکم

ازواجًا (فاطر) ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء۔ لاالٰہ الا ھو العزیز الحکیم ٥ (آل عمران)

امساکِ روح ہستی خدا پر دلیل ناطق ہے

آج دنیا میں سینکڑوں جابر بادشاہ اور نامور ڈاکٹر اور حکماء و عقلا اور سائنس و حکمت کے ماہرین۔ ہزاروں سامانِ عشرت و اسباب حکمت اور علاج و معالجہ اور دوا کے بے شمار ذخیروں کے باوجود اسی طرح بے بسی و بے چارگی کی موت مرتے ہیں۔ جس طرح جنگل میں کوئی گنوار پڑا ہوا مرتا ہے۔ متنبی نے کیا اچھا لکھا ہے ؎

یموت راعی الضان فی جھلہ
میتۃ جالینوس فی طبہ

یہ روح اور قبض روح اور ارسال روح معرفت خدا کے لئے ایک روشن ثبوت ہے۔ فرمایا

ویسئلونک عن الروح قل الروح امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ (بنی اسرائیل)

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیہ الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون (زمر)

اسی کا ترجمہ اکبرالہ آبادی نے کیا ہے ؎

ضروری کام جو نیچر کا ہے کرنا ہی پڑتا ہے
نہیں جی چاہتا مطلق مگر مرنا ہی پڑتا ہے

معلوم ہوا کہ روح کسی کی تخلیق اور کسی کی کنٹرول کی چیز نہیں ہے۔ مرے ہوئے
نوزائیدہ بچے میں ارباب سائنس کبھی روح یا حیات کی چیز نہیں ڈال سکتے
جس طرح کسی ملک معظم کے زندہ جسم کو مرنے سے نہیں بچا سکتے۔ پس دیکھئے خدا تعالیٰ
جب روح کو روک لیتے ہیں تو کسی کا کچھ اجارہ نہیں رہ جاتا۔

اسکے ثبوت میں اپریل سنہ ۴۵ء کا ایک تازہ خبر سنئے۔ صدر جمہوریہ
امریکہ مسٹر روزویلٹ کل سہ پہر کو دفعتاً وفات پا گئے۔ صرف ایک بیر بیہ کہا
کہ میرا سر درد سے پھٹا جاتا ہے اور معاً بیہوش ہو گئے خدمتگاروں نے
ہاتھوں ہاتھ دوسرے کمرہ میں جاکر لٹایا اور فوراً ڈاکٹروں کو بلایا انہوں نے
آکر کہا کہ روح پہلے ہی مفارقت کر چکی ہے (رائٹر) تار برقی کی خبر

اب سوچئے کہ دنیا کو اس بادشاہ کی ضرورت کتنی زیادہ تھی۔ جنگ
کے خاتمہ اور قیام امن کے لئے اس کا وجود کتنا قیمتی تھا۔ دوا علاج کا
دنیا میں سب سے زیادہ جو حقدار تھا وہ وہی تھا لیکن کیا طب جدید و
سائنس کی کوئی حکمت کوئی صناعت اس کے علاج کے لئے کامیاب
ہوسکی۔ امریکہ، روس، فرانس کے بڑے بڑے نامور ڈاکٹر جدید طریق
علاج کے موجدین کچھ کر سکے۔ تازہ جسم اور قلب کی مخفی حرارت غریزیہ کی کچھ
امداد پہنچا سکے۔ یہ سب سائنس والے دیکھتے رہ گئے۔ حیات کی کوئی چیز
زندگی کا کوئی گیس صرف چند لمحوں کے لئے بھی اس کو زندہ نہ بنا سکا۔ ہوا
وہی جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔ وقت موعودہ کو نہ کوئی پہلے ٹال سکا تھا نہ آج
ٹال سکتا ہے۔ بے بسی کی موت جس طرح پہلے ہوا کرتی تھی اور موت کا فرشتہ
جس طرح پہلے مسلط ہو جایا کرتا تھا۔ اسی طرح آج بھی اور وہ بھی ڈاکٹروں
کے جھگھٹے میں فرشتہ موت مسلط ہو رہا ہے اور موت اسی طرح بے تکلف واقع

ہو رہی ہے۔ عارف ہندی اکبر الہ آبادی نے سچ لکھا ؎

برسوں فلاسفہ چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

خود خدا، روح کا مالک کل تھا وہ آج بھی ہے بندے اسکے محتاج اور بے بس جس طرح کل تھے آج بھی ہیں۔ اسکی حکومت و فرمانروائی جس طرح کل شداد، نمرود، فرعون، وہامان پر چل رہی تھی آج بھی اسی طرح ہٹلر اور مسولینی اسٹالن اور روزویلیٹ پر چل رہی ہے۔ یہ سب سائنس والے زیادہ سے زیادہ یہی تحقیق کر ڈالتے ہیں کہ موت کیوں واقع ہوئی؟ اس کے اسباب و حوادث کیا تھے؟ لیکن ظاہر ہے کہ بعد کی یہ عقل آرائی نہایت ہی مضحکہ خیز حرکت ہے۔ عارف ہندی اکبر الہ آبادیؒ نے سچ فرمایا ہے اور سائنٹفک آلات اور مشینی ایجادات والوں کے حق میں کتنا صادق ہے؟ ارشاد ہے ؎

حادثے اپنے طریقوں سے گزرتے ہی رہے
کیوں ہوا ایسا یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے

مختصر یہ کہ علم و عقل کا یہ ستبات علم و سائنس کا ادعا، آج بھی روح یا حیات انسانی پر اپنا کوئی بس اور قابو نہیں پا سکا اور نہ پا سکے گا بس یہ امساک و ارسال "روح" ہستی پر خدا بیّن ثبوت ہے۔

روح کا گیس نہ بنا سکنا ہستی خدا پر دلیل ناطق ہے

حضرات! میں تو کہا کرتا ہوں کہ خدا وہ ہے جس کے قبضہ میں نفس انسانی یعنی روح ہے قل الروح من امر ربی۔ یہ امر رب۔ رب کی پہچان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے سامنے یہی دلیل پیش کی تھی

یعنی وبیوت روح کا یہ قبض وبسط خدا کی سچائی پر خود حضرت ابراہیمؑ کی پیش کردہ ہے۔ آج زمانہ حال میں بھی سب سے بڑی دلیل یہی ہے۔ عارف ہندی اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں نہ خدا کے باب میں کیا آپ مجھ سے بحث کرتے ہیں
خدا وہ ہے جس کے حکم سے صاحب بھی مرتے ہیں

آج اچھے اچھے بڑے بڑے لارڈ جارج۔ ایڈورڈ گذرتے جا رہے ہیں اگر اہل سائنس کچھ کمال رکھتے ہیں تو ان کو نہ مرنے دیں۔ محکمہ سائنس میں بڑے بڑے دماغ والے ہیں اور سنتے ہیں بڑی بڑی ایجادات کر بیٹھتے ہیں۔ پس ہم کچھ ان ارباب کمال سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ آج آپ حضرات کا علم و عقل شباب پر ہے۔ تمام مزعومہ ارباب متفرقون کو بلا کر ایک بڑی سی کمیٹی کر ڈالئے اور دنیا کے تمام گوشوں سے اہل نظر و اہل فکر کو دعوت عامہ دے ڈالئے اور مل جل کر درود موت۔ ہلاکت روح کو روکنے ایسے ہی تجویز کو عملی جامہ پہنائیے۔ آج گورنمنٹ کو میدان جنگ میں آدمیوں کی بڑی ضرورت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ارباب سائنس اہل دنیا کو اور صاحبان سلطنت کو ان تمام پریشانیوں میں کیوں ڈالے ہوئے ہیں۔ میدان جنگ ہلاکت خیز سامانوں سے جس طرح بھر رہا ہے اسی طرح ابقاء روح کے لئے بھی کوئی آلہ کیوں نہیں بنا ڈالتے۔ ان کو چاہیے کہ بدن زخم سے آسودہ اور گردن شہ رگ سے علیحدہ ہو جانے پر بھی روح کو برابر قبضہ میں رکھ کر جسم کا خدمت گار حسب معمول بنائے رکھیں۔

جادو کا ڈھول

سنتے ہیں آلہا اودل کے زمانہ میں کسی لڑائی میں مخالف راجہ کے پاس

کوئی جادو کا ڈھول تھا کہ اس کے مردہ اور زخمی نیم مردہ سپاہی اس کے ڈھول کی آواز پڑی جاتے اور میدان جنگ میں پھر کام کرنے لگتے تو ہم ان تمام اہل سائنس سے صرف ایک مطالبہ کرتے ہیں کہ اے صاحبان اگر واقعی روح پر خدا کی گرفت نہیں ہے بلکہ آپ کے بس کی بھی چیز ہے تو اللہ للہ ساری دنیا پر کرم کیجئے۔ کوئی جادو کا ڈھول یا حیات کی گیس آپ بھی بنا ڈالئے کہ مردہ نیم فوجیوں کی جانیں واپس کیجئے اور اس طرح حکومت کو بڑے مصارف سے اور اس کی آباد غیر مصافی رعایا کو تمام مصائب سے بچا کر ایک بھرتی کی فوج کو بار بار زندہ کرکے دشمن کے مقابل میں بھیجتے رہئیے جب آپ نے دنیا کے معمورہ کو تباہ کن اور ہلاکت خیز آلات سے بھر دیا ہے تو اللہ روح کی واپسی کیلئے بھی کوئی آلہ اور حیاتِ تازہ کا کوئی گیس بنا ڈالئے جس طرح زہریلی گیس وغیرہ میں آپ کا قدم آگے ہے۔ اسی طرح کچھ یہاں بھی کر ڈالئے۔ میں کہتا ہوں عقل کی دنیا اس شباب پر بھی عاجز ہے اور روح پر آج بھی کسی کا کچھ بس نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج حکومت کو اور ان مدعیان علم و سائنس کو مجبور کر دیجئے جو خدا کے بھی قائل نہیں ہیں کہ تم مطلق کچھ ایجاد نہ کرو۔ صرف القاء روح کا کام کرو۔ لیکن یہ ایک ذرہ سی مٹی نہ بناسکنے والے روح کو قبضہ میں کیا رکھ سکیں گے۔ یہ دجالی تہذیب اپنے تیروں سے چھد کر خود ہی ختم ہو جاوے گی۔ اس کا علم و سائنس اسکے لئے وبال جان ہے۔ یہ جماعت احیاء نفس کا کام کرنے سے پہلے ہی اپنی بداعمالیوں بداندیشیوں سے خود ہی تباہ و برباد ہو کر رہ جاوے گی پس روح کا یہ قبضہ خدا کی ہستی کا اعلیٰ ثبوت ہے۔

سورج اور سیاروں کی ضخامت اور روشنی ہستی خدا پر دلیل ہے

سورج و سیاروں کے متعلق دوربینوں سے دیکھکر ماہرین سائنس نے اعلان کیا ہے کہ سورج موجودہ زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے اور ستارے جو جار کھرب دیکھے جاچکے ہیں ان میں سے کچھ ہمارے آفتاب سے چھوٹے اور کچھ اس آفتاب سے کئی گنا بڑے ہیں۔ آفتاب کی روشنی زمین تک پہونچنے میں آٹھ منٹ لگتے ہیں اور یہ اس حالت میں جبکہ بقول ماہرین سائنس اس کی روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی زبردست رفتار سے چلتی ہے۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر جسٹس سرشاہ محمد سلیمان صاحب ماہر ریاضی و سائنس کا مضمون طلوع اسلام ماہ ستمبر ۱۹۴۱ء۔ ایضاً جواہر العلوم ص۱۲ للشیخ الطنطاوی)

حضرات! یہ آفتاب یہ ستارے یہ چاند۔ خدا کی ہستی کے لئے سب سے بڑی حجت ہیں۔ آج تمام دنیا کم و بیش ۱۲ گھنٹے آفتاب کی روشنی سے منور رہتی ہے۔ رات بھر تین چار گھنٹے روزانہ لوگ کاروبار جاری رکھتے ہیں۔ سائنس و حکمت کی اس البیلی دنیا کو اہل دنیا کی یہ حالت و ضرورت معلوم ہے۔ لیکن کیا ان کی مجال ہے کہ ٹھیک آفتاب جیسا منور کوئی ایک کرہ رات کیلئے بنا کر اہل عالم کے لئے مفت یا بہ قیمت تیار کریں جو تمام عالم کو پھر منور کردے۔ ٹارچ، گیس۔ بجلی کا ہنڈا ۔ مختلف چیزیں یا ایک کمرہ میں یا دس بیس گز تک روشنی رہنے والی چیزیں تو یہ بنا سکے لیکن ایسی مفت اور تمام عالم کو جگمگا دینے والی چیز سورج کے مثل کوئی آجتک نہ بنا سکا۔ نہ قیامت تک بنا سکیگا۔ پس علم و سائنس کا یہ عجز خدا کی ہستی پر دلیل ناطق ہے۔

شمس و قمر کے مخلوق الٰہی ہونے پر ایک اعتراض

اگر کوئی ملحد دعوی کرے کہ سورج، چاند، ستارے خود بخود تو نہیں ہو گئے لیکن اسے خدا نے بھی نہیں بنایا ہے بلکہ جس طرح عجائبات سائنس و اختراعات عالم میں ہزاروں چیزیں ارباب ہنر و اصحاب کمال بناتے ہیں اور سلطنتوں کی پشت پناہی و امداد سے یہ چیزیں تیار ہوتی رہتی ہیں جیسے برقی لہر ریڈیو۔ وائرلیس وغیرہ۔ اسی طرح اہل دنیا کے نفع کے لئے کسی وقت میں ان چیزوں کو ارباب کمال و سلاطین ذی شان نے بنایا اور بنوایا اور وہ انسانی آبادی کے لئے تا ابندم اپنے نظام سے کام کر رہی ہیں۔ آخر اس پر کیا دلیل عقلی ہے کہ سورج چاند ستارے ایک یا چند سلطنتوں نے مل کر دنیا کیلئے کبھی کسی وقت میں نہیں بنایا تھا۔ یا یہ کہ وہ نہیں بنا سکتے تھے بلکہ اسے صرف ایک ایسی برتر ہستی نے بنایا جس کی طاقت تمام سلطنتوں کی مجموعی طاقت سے کہیں زائد ہے اور اسی کا نام خدا ہے۔

الجواب
اعتراض کی لغویت اور ہستی خدا کا ثبوت

بے سرو پا گفتگو کرنیوالے ملحدین سے پہلے یہ طے کر لینا چاہیے کہ احتمال کی دو قسمیں ہیں۔ احتمال ناشی عن الدلیل اور احتمال ناشی بغیر الدلیل وہ احتمال جو کسی دلیل کی بنا پر ہو وہ لائق اعتبار ہوتا ہے۔ اور وہ احتمال جو بغیر کسی دلیل کے ہو وہ لائق اعتبار نہیں ہوتا ہے جیسے ملحد صاحب کو کوئی یہ کہنے لگے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ انسان نہیں ہوں گدھے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ آپ یہ گفتگو ہوش و حواس میں رہ کر نہیں کر رہے ہوں بلکہ خبطگی اور

اور جنون میں کر رہے ہوں لہذا جبتک آپ کی ذات سے خبطلگی اور جنون کا احتمال نہ اٹھ جاوے گا اسوقت تک آپ سے گفتگو نہ کروں گا۔ پہلے اس احتمال کو اٹھائیے اگر وہ کہیں کہ اس طرح کا احتمال پوچ ہے کیونکہ ناشی بغیر دلیل ہے تو ان سے کہا جائیگا کہ یہ احتمال بھی پوچ ہے اور بغیر دلیل ہے کہ پہلے زمانہ کے موجدین نے سورج تارے وغیرہ بنائے ہوں جبکہ یہ مسلم ہے کہ فلسفہ اور سائنس آج شباب کو پہنچا ہوا ہے اور اس کی حالت یہ ہے کہ ہنوز وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ستاروں کے معمورہ کا معمولی تعارف کرا سکے چہ جائیکہ اس زمانہ میں جبکہ سائنس عہد طفولیت میں تھی وہ ان کی ایجاد کرے رہا ان کا خود بخود ہونا تو یہ بھی احتمال ناشی بغیر دلیل ہے کیونکہ جو چیز خود بخود ہوتی ہے اس میں توافق اور تنظیم نہیں ہوتی ہے اور دنیا کی ساری چیزیں منظم ہیں اور اس میں توافق جلوہ گر ہے خصوصاً شمس وقمر میں کس ضابطہ اور کتنی صاف پابندی سب کے مشاہدہ کی چیز ہے جو دلیل ہے کہ کسی با تدبیر صاحب انتظام کے ہاتھوں ان کا وجود ہوا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ پر ایک فلسفیانہ دلیل:۔ دنیا کی کوئی چیز آپ سے آپ پیدا نہیں ہوتی اک ذرا سی سوئی اور یہ تاگا آپ سے آپ نہیں پیدا ہوا۔ سوئی کا بنانے والا بھی کوئی ہے تاگا کا بنانے والا بھی کوئی ہے۔ لوگوں نے مختلف محنتوں اور حکمتوں سے انھیں تیار کیا ہے بغیر کسی بنانے والے کے یہ معمولی چیزیں بھی نہیں بن سکیں ہیں، یہ میز، یہ کرسی اور یہ لاؤڈ اسپیکر بھی آپ سے آپ نہیں بنا ہے تو جب یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی آپ سے آپ نہیں بنی ہیں تو یہ چاند یہ سورج، یہ ستارے یہ کہکشاں آپ سے آپ کیسے بن جائیں گے ضرور ان کا بھی کوئی بنانے والا ہے کیونکہ یہ چیزیں اتنی بڑی ضخامت کی ہیں کہ کسی انسانی کارخانے میں ڈھالی نہیں جا سکتیں۔

میں نے اپنی کتاب "سائنس اور اسلام" میں اہل سائنس کا بیان نقل کیا ہے کہ یہ سورج
جو ہماری انسانی نظروں کو اک تھالی یا بڑی روٹی کے برابر نظر آتا ہے اس کا حجم موجودہ دنیا
سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے یعنی یہ پوری زمین جس میں ہمالیہ جیسے بڑے بڑے پہاڑ ہیں اور
براعظم ایشیا، براعظم افریقہ، براعظم اسٹریلیا اور براعظم یورپ وغیرہ جیسے براعظموں
پر جو زمین مشتمل ہے انسان کا جو طول ارض ہے ہمارا سورج اس سے بھی بڑا ہے
بلکہ تیرہ لاکھ مرتبہ یہ زمین تیار کی جائے تو ان سب کی جو عظیم ترین طول ارض ہوگا تو وہ
سورج کے طول عرض اور حجم کے برابر ہوگا۔

اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس قدر عظیم ضخامت والا سورج جو پوری دنیا سے
تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے وہ دنیا کے کسی کارخانے اور کسی فیکٹری کے بس کا نہیں کہ اس
میں ڈھالا جا سکے۔ لامحالہ اس عظیم ترین سورج کا خالق خدا ہے۔

حجت ابراہیمی پہ ایک اعتراض

سورج کے اس موجودہ نظم کو ہستی خدا پر حضرت ابراہیم ؑ نے بطور دلیل پیش کیا
تھا۔ اس پر میرے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم ؑ نے نمرود کے مقابلہ
میں خدا کی پہچان یہ بتائی تھی کہ خدا وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور
اگر تو خدا ہے تو مغرب سے نکال دے۔ بعض مفسرین نے اسکو ہستی خدا پر دلیل یا حجت نہیں قرار
دیا ہے بلکہ یہ لکھا ہے کہ یہ توجیہ ہے اور وجہ توجیہ یہ قرار دی ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کے
اس مطالبہ کے جواب میں نمرود یہ کہہ سکتا تھا کہ مشرق سے تو میں ہی لاتا ہوں اگر کوئی اور
خدا ہے تو وہ مغرب سے لادے۔ اس کا جواب کیا ہوسکتا تھا۔

اعتراض کی لغویت اور ہستی خدا کا ثبوت

مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے اس کے متعلق لکھا کہ یہ مسئلہ

اگرچہ دقیق اور علمی ہے لیکن ہم اس سے ہٹ کر عام فہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کے ارشاد میں "رَبِّیَ" یہ ہے کہ جو رب ہوگا وہ قادر مطلق ہوگا کیونکہ ربوبیت عامہ کیلئے قدرت مطلقہ ہونا لازم ہے ورنہ ربوبیت ناقص رہے اسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے یحیی ویمیت کی کلی شکل میں پیش کر رب وہ ہے جو سارے عالم کے احیاء اور امات یعنی اس کے بقا و فنا پر کاملہ رکھتا ہو اور دنیا کی ہر چیز کی دچاہے وہ انسان ہو یا حیوان نبات یا جماد علوی ہو یا سفلی) سب چیز کی حیات و فنا اس کے ہاتھ میں ہو لیکن نمرود نے شخص کو رہا کر کے اور ایک شخص کو قتل کر کے یہ کہا کہ انا احی و امیت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس کے دماغ اور اس کے فہم کا امالہ اس کلی قدرت کاملہ کی طرف نہیں ہوا جو جملہ فعلیہ یحیی ویمیت کا منشا ہے اور خدا کی صفت خاصہ بلکہ اس کا دماغ جزئی ضرر رسانی اور نفع رسانی میں گھر کر رہ گیا اور مغالطہ میں مبتلا ہوگیا تو اسکی فہم کے مطابق خدا کی قدرت کاملہ اور اس کے قادر مطلق ہونیکو دوسری شکل میں پیش کیا اور کلی شکل سے نیچے اتر کر نظام عالم میں سے صرف ایک نظام شمسی کے دروبست کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیا۔ کہ رب وہ ہے کہ جس کا استیلا (غلبہ) شمسی نظام پر ہے اور جس کے استیلا ر کا ہاتھ تمہارے وجود سے پہلے روزانہ آفتاب کو مجبور کر کے مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تم کو رب ہونیکا دعوی ہے تو شمسی نظام پر استیلاء کا ثبوت پیش کرو اور اپنے استیلا ر کے ہاتھوں شمسی نظام کو اس طرح بدل دو کہ پہلے نظام کے خلاف سمت سے یعنی مغرب سے نکالو۔ یہاں پہونچ کر کمزور کی آنکھ کھل گئی کہ رب ہونے کے لئے قدرت کاملہ اور استیلاء تام ضروری ہے اور یہ ہمارے بس سے باہر ہے اور اس خیال کے آتے ہی وہ حیران دشتسدرہ گیا۔

اب اس سے موقع پر

کسی صاحب کا یہ اعتراض کرنا کہ نمرود اگر جواباً کہتا کہ مشرق سے میں نکالتا ہوں اگر خدا ہے تو اس سے یہ درخواست کرکے مغرب سے نکلوا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب کو نہیں سمجھا اس وجہ سے بالکل بے معنی اعتراض کر دیا۔

پہلا جز تو اس لئے غلط ہے کہ نمرود کے وجود سے پہلے بھی آفتاب مشرق ہی سے نکلتا ہے لہذا وہ جس نظام کے ماتحت پہلے سے نکل رہا ہے آج بھی اسی ماتحت نکل رہا ہے اس کے متعلق ایسے شخص کا جو کل کا پیدا ہو یہ دعویٰ کرنا کہ اس کو مشرق سے میں نکالتا ہوں بداہت کے خلاف ہوتا جو زبان پہ لانے کے بھی قابل نہ تھا۔

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب کی تعریف میں شمسی نظام کے استیلاء کو پیش کیا تھا اور بالمقابل یہ صورت پیش کی تھی کہ اپنے استیلاء کے ثبوت میں شمسی نظام کو اس طرح بدل دو کہ پہلے نظام کے خلاف کسی دوسری سمت سے آفتاب کو نکالو۔ خواہ مغرب سے ہو۔ پس مقصود بالذات شمسی نظام پر استیلا تھا۔ اس مطالبہ ابراہیمی میں آفتاب کو مغرب سے نکالنے میں کوئی خصوصی اہمیت نہیں تھی وہ تو ظہور استیلاء کی صرف ایک وقوعی شکل تھی۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ کسی کے پڑھے لکھے ہونے کے جھوٹے ادعا پر کوئی یہ کہے کہ سچے ہو تو اردو کی پہلی کتاب پڑھ دو۔ مقصد اس مطالبہ کا صرف پڑھنا ہوتا ہے اردو کی پہلی کتاب کو مطالبہ سے خصوصی تعلق نہیں ہوتا ہے اس مطالبہ کے ظہور کے لئے اردو کی پہلی کتاب صرف ایک وقوعی

شکل کی تعیین ہوتی ہے۔ مقصود بالذات صرف پڑھنے کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے مطالبہ میں مقصود بالذات صرف نظام شمسی پر استیلا رتھا خواہ مغرب سے ہو خواہ شمال و جنوب سے اور یہی استیلا اس کے بس سے باہر تھا جس سے وہ ششدر رہ گیا اور ابراہیمی حجت غالب آگئی یہ استیلا اور یہ تصرف انسانی عقل و حکمت کے بس سے باہر جس طرح کل تھا اسی طرح آج (بیسویں صدی) والے سائنس و حکمت کے بس سے بھی باہر ہے شمس اور شمسی نظام پر آئندہ تصرف و غلبہ کل بھی نہیں تھا اور آج بھی اس پر کوئی کنٹرول نہیں ہو سکا نہ ہو سکے گا۔

ایک خدشہ مع جواب

بخت و اتفاق کی تردید سے ہستی خدا کا ثبوت

کتب منطق میں بخت و اتفاق والوں کی ہستی خدا یا علت کے خلاف ایک دلیل مذکور ہے۔

العالم مستغن عن المؤثر وکل ما هو مستغن عن المؤثر فهو قديم فالعالم قديم۔ یعنی عالم موثر کا محتاج نہیں اور جو موثر کا محتاج ہے وہ قدیم ہے۔ پس عالم قدیم ہے۔ موثر کا استغنا اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ موثر جس پر اثر ڈال رہا ہے وہ شے موجود تھی یا نہیں۔ اگر نہیں تھی تو نیست محض پر اثر ڈالنا کیا معنی رکھتا ہے؟ محسوسات و مشاہدات عالم سے اس کی کوئی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی کہ کھڑی

پرزے کیل کانٹے کچھ نہ ہوں اور گھڑی ساز اثر ہوا پر ڈال کر گھڑی تیار کردے۔ پس نیست محض پر نہ کوئی اثر ہے اور نہ وہ ہست ہو سکتا ہے اور اگر وہ چیز موجود تھی تو اثر کا ڈالنا وجود شئے کے لئے تھا اور وہ شئے موجود ہے۔ پس تحصیل حاصل لازم آئے گا اور وہ محال ہے پس مؤثر سے استغنار ہر دو شق پر ظاہر ہے۔

سبب و علت کا انکار بداہتہً باطل ہے

مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی نے صدق ۲ر جون ۱۹۴۵ء میں جواباً لکھا ہے کہ۔

اصل استدلال کا مغالطہ بالکل واضح ہے اور ذرا کھول کر بیان کردیا جاوے تو ہر سننے والے کو بجائے یقین کے ہنسی آجائے۔ یونانی بے چارہ دلیل وجود باری ہی کے خلاف نہیں۔ بلکہ وجود اسباب کے خلاف لا رہا ہے وہ مؤثر یا علت فاعلی کی نفی عالم یا مجموعہ کائنات سے نہیں بلکہ مافی العالم یعنی کائنات کے ہر ہر جزء اور ہر ہر جزیئہ سے کر رہا ہے وہ تو یہ کہہ رہا ہے کوئی چیز کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتی اس لئے کہ معلول یا تو نیست ہوگا یا ہست اور علت کا تحقق ان دونوں شقوں میں باطل ہے کیونکہ یا تو اجتماع النقیضین لازم آئیگا یا تحصیل حاصل۔ گویا عالم میں نہ کوئی سبب ہے نہ کوئی نتیجہ نہ کوئی باپ ہے نہ کوئی بیٹا۔ نہ کوئی تخم نہ کوئی درخت۔ نہ کوئی آفتاب نہ اسکی روشنی۔ نہ کوئی رات اور اس کی تاریکی سلسلۂ اسباب کا وجود ہی سرے سے باطل۔ باطل پر ایسی جسارت بجز ایک یونانی کے کون کر سکتا ہے۔

یونانی کی اصل دلیل کا مغز یا ماحصل اسی قدر ہے۔ قانون علیت یا سببیت سے اس کا انطباق جب کائنات اور اس کے خالق پر کیا جاویگا تو سامنا دوہرے مغالطہ کا کرنا ہوگا۔ حادثات کے تجربات و مشاہدات کا آخر کس قاعدہ سے قدیم پر اطلاق ہوگا۔ یہاں گفتگو قدیم ہی کی صفت اور فعلیت پر ہے پس قدیم و حادث میں کوئی مناسبت ہی نہیں کہ حادث میں وہ قوت، وہ صفت نہ پاکر قدیم میں بھی اس کا انکار کر دیا جائے۔

علتِ فاعلی کا اثر شئے کی حالتِ عدم میں ہوتا ہے

بحث و اتفاق کے مسلک اور اس دلیل خاص کی تردید پر مولانا محمد شفیع صاحب فرنگی محلی لکھنوی نے "صدق" ۱۰ر جولائی ۱۹۴۵ء میں ایک طویل جواب لکھا۔ اس کا اقتباس اس جگہ مندرج کر دیا جاتا ہے اس سے دلیل کا کھوکھلا پن صاف ظاہر ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ معترض نے غلط لکھا کہ نسبت پر اثر ڈالنا اور اس کا ہست کرنا بے معنی ہے ہم کہتے ہیں کہ جب گھڑی کے اجزا کیل کانٹے کمانی سب موجود ہوں تو کیا گھڑی کا وجود بلا گھڑی ساز کے ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ اجزا خاص ترتیب و خاص بناوٹ کے محتاج ہوتے ہیں جب تک وہ خاص ترتیب خاص ہیئت گھڑی ساز نہ دیدے گھڑی نہیں ہو سکتی ہے۔ گھڑی ساز (جو کہ گھڑی کی صورت کی علت ہے) کا اثر (یعنی گھڑی کا وجود) اس حالت میں ہوتا ہے جبکہ گھڑی عدم کی حالت میں ہوتی ہے۔ ورنہ تحصیل حاصل لازم آتی ہے۔ یہ اضافی نسبت سے ہست ہے۔

اب یہ دوسرا امر ہے کہ یہاں معلول ایک ہیئت و ترکیب ہے جس کا وجود

محل کے بغیر ممکن نہیں۔ اسلئے گھڑی ساز کی علیت اور گھڑی کی معلولیت کے لئے یہ شرط ہے کہ وجود اثر کے پہلے کوئی چیز خارج میں موجود ہو۔ جو حالت و ہیئت کا محل بن سکے۔ اگر معلول ہیئت و حالت نہ ہوتی تو محل کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ پس گھڑی جس ہیئت ترکیبی کا نام ہے ان کے اجزاء ترکیبی کا پہلے سے موجود ہونا ضروری ہے یہ اجزاء تو علت یعنی گھڑی ساز کے معلول نہیں۔

کیونکہ گھڑی ساز گھڑی کی علت ہے نہ کہ گھڑی کے اجزاء کی۔ گھڑی کے اجزاء کے بنانے ڈھالنے والے اور لوگ ہوتے ہیں۔ پس ظاہر ہے گھڑی ساز نے گھڑی کو اسکے معدوم ہونے کے بعد موجود کیا ہے۔ عالم محسوس میں تو ہر اثر شئے کی حالت عدم میں ہوتا ہے۔ چنانچہ گھڑی ساز کے اثر کا وجود گھڑی کی حالتِ عدم میں ہوتا ہے۔

اجتماع النقیضین کی دو قسمیں

اگر حالتِ عدم میں اثر مانا جائے تو اجتماع النقیضین لازم نہیں آتا۔ ہر اجتماع النقیضین محال نہیں اور جو اجتماع النقیضین محال ہے وہ یہاں پایا نہیں جاتا۔ کیونکہ اجتماع محل واحد میں نہیں ہے بحث و اتفاق والے اس امر کو پیشِ نظر نہ رکھ سکے کہ عدم اور وجود اگر منبا تضیین تسلیم بھی کر لئے جائیں تو بھی کوئی حرج نہ ہوگا۔ کیونکہ عدم کا کوئی محل نہیں ہوتا اور وجود شئے سے کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے۔ پس وجود و عدم کا اجتماع محل واحد میں ہے ہی نہیں۔ تو اجتماع النقیضین محل واحد میں کہاں لازم آیا؟ بہر حال حالتِ عدم میں علت کا اثر ہوتا ہے یعنی اثر علت

کا وجود اس عالم محسوس میں اس شئے کی حالت عدم میں ہوتا ہے جو اس اثر کے بعد میں ہوتی ہے۔ پس گھڑی کی ہیئتِ ترکیبی گھڑی ساز کے اس حالت میں اثر ڈالنے کے بعد ہوتی ہے جبکہ وہ ہیئت ترکیبی معدوم محض گھڑی ساز اس ہیئت وشکل کو معدوم ہونے کی حالت میں ہست کرتا ہے پس نیست کا ہست ہونا صاف ظاہر ہوا۔

وجود باری تعالیٰ پر عقل صحیح کا فیصلہ

یہ بات عقل سے باہر ہے کہ کوئی عقلمند انسان ایسی چیز کے وجود کو جس کے اجزاء پہلے سے موجود ہوں بغیر سبب وعلت کے مانے اور محض بخت واتفاق کا نتیجہ سمجھے (جیسے گھڑی کا وجود بغیر گھڑی ساز کے کوئی نہیں مانتا اور اتفاقی اسکو نہیں سمجھتا) اور وہ شئے جس کے اجزاء بھی پہلے سے موجود نہ ہوں اس کے موجود ہونے کو محض بخت واتفاق پر محمول کرے اور اس کا وجود بغیر کسی علت وسبب کے مانے۔ جب گھڑی جیسی معمولی چیز کیل کانٹے کمانی وغیرہ کے باوجود خود بخود نہیں ہو جاتی حالانکہ ان کے اجزاء بھی موجود تھے۔

کیونکہ وہ کسی ایسی ہستی کی محتاج ہوتی ہے جو اسے ترتیب دیتا اور نیست سے ہست کا درجہ عطا کرتا ہو تو عالم کہ جس کے اجزاء بھی پہلے سے موجود نہ ہوں کس طرح نیست سے ہست ہو جائے گا۔ پس نیست سے ہست ہونے کے لئے ایک خالق وموجد کی ضرورت صاف ظاہر ہے۔

معدوم کے موجود کرنے پر عقلاً کوئی استبعاد نہیں

ایک مثال :۔ معمار کے ذریعہ مکان بن گیا۔ اب ظاہر ہے کہ جو چیز بنی ہے یعنی موجود ہوئی ہے وہ پہلے سے بنی ہوئی ہے نہ تھی یعنی موجود نہ تھی ورنہ پھر بننے اور موجود ہونے کے کیا معنی (تحصیل حاصل) اسلئے جو چیز بنی ہے وہ بننے اور موجود ہونے سے پہلے معدوم تھی یعنی مکان کے بننے سے پہلے مکان کا وجود نہ تھا۔ اسی طریقہ سے اگر قائل ہو جائے کہ مادہ اپنے وجود سے پہلے موجود نہ تھا تو کون سی مستبعد بات ہے۔ اگر عالم محسوسات میں گھڑی یا عمارت موجود ہو سکتی ہے اپنے معدوم ہونے کے بعد۔ تو عالم غیر محسوس میں مادہ کے معدوم ہونے کے بعد اگر کوئی علت غیر مادی اسے موجود کرنے یعنی غیر محسوس سے محسوس کرے تو اس میں کون سا استبعاد ہے اب یہ معدوم کو موجود کرنے والا غیر محسوس کو محسوس بنانے والا خالق تعالیٰ ہی ہے۔

ایک ضروری انتباہ

عالم محسوسات میں جو علتیں ہوتی ہیں وہ خود چونکہ مادی ہوتی ہیں اسلئے ان کا اثر خود مادہ پر نہیں ہو سکتا (یعنی کسی مادہ یا کسی تخم کا خلق نہیں کر سکتے) بلکہ مادہ کی ایک حالت اور ایک ہیئت پر ہوتا ہے اور کسی حالت اور ہیئت کا وجود بغیر محل کے نہیں ہو سکتا۔ اسلئے مادی چیز کے اثر کرنے کی یہ شرط ہوتی ہے کہ اس اثر سے پہلے کسی دوسری غیر مادی علت کی وجہ سے "محل اثر" موجود ہو چکا ہو یعنی عالم محسوسات میں خلق نہیں ہوتا بلکہ تغیر من حالۃ مادۃ الی حالۃ مادۃ ہوتا ہے تو جب عالم محسوسات میں خلق ہوتا ہی

نہیں صرف صنعت گیری ہوتی ہے تو سلسلہ خلق کی نظیر عالم محسوس میں تلاش کرنا خود بے عقلی ہے۔

مختصر یہ کہ حادث ، مادی انسان ہستی "صور" کی کرتا ہے محل اثر یعنی "مادہ" کا نہیں۔ برخلاف اس کے باری تعالیٰ نیستی سے ہستی تمام اشیاء کی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ "محل اثر" یعنی مادہ کا بھی مبدع ہے کیونکہ اگر محل اثر کا خالق خود باری تعالیٰ بھی نہ ہو تو محل اثر یعنی مادہ کا بغیر کسی علت و سبب کے خود بخود نیست سے ہست ہونا لازم آئیگا جو بداہتہً باطل ہے۔

بہرحال واجب الوجود قدیم بالذات کو ممکن کی طرح عاجز و بے بس تسلیم کرنا اور اس کی صفات کمالیہ تخلیق و تکوین کو اپنے پر قیاس کرنا خود عقل سلیم کی نگاہ میں نہایت بے وزن و قیاس مع الفارق امر ہے۔

تحصیل حاصل کے شبہ کا دفعیہ اور ہستی خدا کا ثبوت

اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی فاعل اور موثر کسی متاثر کو موجود کریگا تو یہ تاثیر اگر بوقت موجود ہونا ہے تو تحصیل حاصل لازم آئیگا۔ اور اگر یہ تاثیر و فیضان بوقت عدم ہے تو اجتماع النقیضین لازم آئیگا کیونکہ عدم کے وقت وجود کا ہونا صراحتہً اجتماع النقیضین ہے

جواب اس کا الزامی و تحقیقی دونوں طرح سے ہے۔ الزامی یہ ہے کہ ہم کہیں گے کہ جب ممکن بعد العدم کسی کے تاثیر و تحصیل سے موجود ہو گی بلکہ بقول شما خود حاصل ہو گی (کیونکہ ممکن کا وجود تو مشاہد ہے) تو لامحالہ یہ حصول بعد عدم حصول

ہوا ہے یا حالِ حصول میں ہوا ہو گا۔ تو لازم آئیگا تحقیل حاصل اور اگر یہ حصول حاصل حالِ عدم میں ہو تو لازم آئے گا۔ اجتماع النقیضین علی قیاس ما قلتم من غیر فرق۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔
تحقیقی جواب یہ ہے کہ تاثیر موثر متاثر کے وجود کے زمانہ میں ہے اور تاثیر موثر بشرط وجود نہیں ہے اور محال یہی ہے۔ تحقیل حاصل تو لازم آئیگا لیکن تحقیل حاصل کی دو قسم ہے ایک محال۔ ایک جائز۔ تحقیل حاصل جو حاصل ہے تحقیل سابق سے وہ محال ہے بہ تقدیر شرطیت کیونکہ شرط میں تقدم لازم اور ظرف میں تقدم لازم نہیں۔ و بالجملہ تاثیر اور وجود معًا ماہیت کو حاصل ہو کر عدم زائل ہو جاتا ہے ھکذا فی تقاریر استاذی مولٰنا عبد السلام درانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ و قریب من ذالک تقریر مولٰنا عبد الحیی فرنگی محلیؒ فی قول المحیط مدؔ

حرفِ آخر

ناظرین کرام کے سامنے دلائل کا ایک ذخیرہ ہر نوع سے فراہم کر دیا گیا ہے بسیط و مختصر بھی سادہ بھی منطقی بھی۔ امید ہے کہ بعض دلائل خاطر مبارک میں ضرور بے تکلف اتر جائیں گے۔ مگر بہرحال یہ شعر نظر میں رہے۔ ؎

دور بینانِ بارگاہ الست
جز ایں پے نبردہ اند کہ ہست

تمت بالخیر

مدرسہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر کا

مختصر تعارف

دین الٰہی کا یہ خادم مدرسہ عرصہ ۶۸ سال سے ریاست نیپال جیسے سنگلاخ
سرزمین کے موضع جھنڈا نگر میں اپنی دینی خدمات بجالا رہا ہے عربی درجہ
حافظ کے ۲۲ مدرسین اور ۴ باورچی ملازم ہیں۔ دو وقتہ کھانا پانے
والے بیرونی طلبہ ۱۷۵ کی تعداد میں قیام رکھتے ہیں (مقامی طلبہ کی
کثیر تعداد اس سے خارج ہے) ایک مختصر وقفی زمین، اور عشری آمدنی
سے مدرسہ کا نظام بہ تدریج ترقی پذیر حالت کے ساتھ قائم ہے۔
مدرسہ میں ایک بلند و پختہ عمارت موجود ہے جس میں مدرسہ سے متعلق مسجد
اور باورچی خانہ اور غلہ خانہ وغیرہ بھی تیار ہے۔ اب جدید درسگاہ
اور کتب خانہ کی تیاری بے حد ضروری ہے۔ گذارش ہے کہ عربی
مدارس کے محسنین اس مدرسہ کو بھی اپنی یاد میں رکھیں اور کتب
تعمیر و زر نقد سے امداد فرما کر دارین میں ماجور ہوں

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

ملنے کا پتہ

مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی مدرسہ

سراج العلوم السلفیہ جھنڈا نگر۔ پوسٹ بڑھنی بازار ضلع بستی۔ یوپی